بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱ | ماہ اپریل ۲۰۱۳ء مطابق جمادی الاول ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۴

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	(نگاہ اولیں) (الف) آہ! محترم بھائی قطب الدین مولا صاحب مرحوم (ب) بہت روئے ہم اُس کے جانے کے بعد (ج) دارالعلوم دیوبند میں تحفظ سنت کا اجلاس	مدیر مولانا سلامت اللہ ندوی مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۷
۳	کوئی دیکھے نہ دیکھے، اللہ دیکھ رہا ہے	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۵
۴	دارالعلوم امام ربانی؛ اہداف اور عزائم	مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی	۳۳
۵	ایک یادگار اہم تعلیمی اجلاس	مولانا محمد سلمان بجنوری	۳۷
۶	دل بدل جاتے ہیں تعلیم کے بدل جانے سے	مولانا سلامت اللہ ندوی	۴۶

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے واسطے حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طٰہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸- یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات　صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ　بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اولیں

مدیر/مولانا سلامت اللہ ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف)

آہ! محترم بھائی قطب الدین ملّا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۲؍فروری (بروز جمعہ) یہ راقم سطور ناسک (مہاراشٹر) کی ایک مسجد میں نماز مغرب کے بعد بیٹھا تھا، تھوڑی دیر بعد ایک اجتماع میں کچھ عرض کرنا تھا، کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، معہد الامام ولی اللہ (نیرل) سے مولانا صادق پوترک مخاطِب تھے، انھوں نے اطلاع دی کہ بلگام سے حنیف بھائی نے خبر دی ہے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے قطب الدین ملّا صاحب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے! سنتے ہی دِل دھک سے رہ گیا، بے ساختہ زبان سے نکلا! اناللہ وانا الیہ راجعون

کچھ لمحے تو عجیب سکتے کے سے عالم میں گذر گئے، یا اللہ! یہ کیا ہو گیا، خیال ہوا کہ شاید یہ خبر کسی غلط فہمی پر مبنی ہو، ابھی چند گھنٹے پہلے تو میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی، وہ بالکل نارمل لگ رہے تھے —— یہ سوچ کر بھائی محمد حنیف صدیقی کو (جواُن کے رفیقِ خاص اور دست راست تھے) فون کیا، تو انھوں نے زار و قطار روتے ہوئے واقعہ کی تصدیق کی اور کچھ تفصیل بتائی —— خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جمعہ (۲۲؍فروری) کی نماز اطمینان سے ادا کی، اس کے بعد ایک دو لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے گھر آئے، دوپہر کا کھانا تناول کیا، اور یہ کہتے ہوئے آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گئے کہ ''عصر میں مجھے جگا دینا'' عصر کے وقت ان کی اہلیہ مکرمہ نے جگانے کی کوشش کی، مگر جب بیدار نہیں ہوئے تو یہ سمجھیں کہ نیند بہت گہری ہے، اور وہیں نماز اور تسبیحات میں مشغول ہو گئیں، جب دیر ہونے لگی تو ان کی ایک صاحبزادی نے آکر جگانے کی کوشش کی، تب اندازہ ہوا کہ معاملہ کچھ اور ہے .... سب گھر والے دوڑ پڑے، کہرام مچ گیا، ڈاکٹر بلایا گیا، بھائی حنیف اور کچھ دوسرے لوگ بھی آ گئے، اسپتال بھی لے کر گئے، مگر جانے والا تو چپکے سے جا چکا تھا، نہ کسی

سے خدمت لی، اور نہ کسی کو تکلیف دی، خاموشی سے اپنے رب کے پاس چلا گیا——

ناسک کے اجتماع میں بیان کر کے میں بذریعہ ٹیکسی پونہ روانہ ہو گیا (جس کا انتظام بڑے سلیقے سے آناً فاناً محترم جناب عبداللہ پنجاری نے کر دیا تھا۔ اور وہاں سے عزیزم شاداب اپنی گاڑی سے بلگام لے گئے، راستہ میں فجر کی نماز کولاپور میں پڑھی، حاجی محمد اسلم صاحب نے پورا انتظام کیا ہوا تھا، تھوڑی دیر ان کے یہاں آرام بھی کیا، اور پھر سوا دس بجے تک بیلگام پہنچے، شہر میں داخل ہوتے ہی ایسا لگا کہ پورا شہر سوگوار ہے، لوگ دوسرے اضلاع سے بھی امڈ پڑے تھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے مکان کے قریب جمع تھے، ہجوم اور ٹریفک کو کنٹرول کرنے کے لئے پولیس کا معقول بندوبست بھی تھا، اسی ہجوم کے درمیان سے گذرتے ہوئے یہ عاجز اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت ملا صاحب کے مکان میں داخل ہوا، کمرہ میں جنازہ رکھا ہوا تھا، دیکھتے ہی آنکھیں چھلک پڑیں، پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک پیشانی اور داڑھی کو چومتا رہا، چہرہ کس قدر منور، تروتازہ اور ہشاش وبشاش تھا، واللہ! میں بیان نہیں کر سکتا، ہونٹوں پر نہایت واضح مسکراہٹ کھِلی ہوئی تھی، لگتا تھا کہ بس اب ہنس دیں گے—— تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد ایک دوست کے مکان پر مجھے لے آیا گیا۔ ۱۱ بجے کے بعد جنازہ لے کر قبرستان کی طرف چلنا شروع کیا گیا، بہت تھوڑی سی مسافت کے باوجود قریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ قبرستان پہنچنے میں لگ گیا، میں قبرستان پہنچا تو دیکھا کہ بہت بڑا مجمع پہلے سے قبرستان میں پہنچ چکا ہے۔ اور وہاں جناب نور محمد بیوپاری صاحب (مرحوم) مجمع کے سامنے تذکیری بات کر رہے ہیں، جن کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم سے ہے، نماز سے پہلے میں نے بھی کچھ عرض کیا، پھر نماز ہوئی، اور مرحوم کے صاحبزادگان ومتعلقین کے اصرار پر نماز جنازہ کی امامت کی خدمت اِس عاجز وعاصی ہی کے حصہ میں آئی—— محتاط اندازے کے مطابق ۱۵ سے ۲۰ ہزار کے مجمع نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور مجمع بھی زیادہ تر ایسے صالحین کا جو مسلسل ذکر ودعا میں مصروف تھا، اور نماز جنازہ کے دوران سیکڑوں لوگوں کی ہچکیاں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں—— نماز اور تدفین سے فارغ ہو کر میں ان کے مکان پر گیا، اور سب مستورات اور بچوں سے کچھ باتیں کر کے اپنی تسلی کا سامان کیا اور فوراً ہی واپس خانقاہ کے لئے یہ سوچتے ہوئے روانہ ہو گیا کہ ؎

زمزموں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ آواز اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

ملّا صاحب کون تھے، کیا تھے، اس بارے میں اپنے احساسات، مشاہدات وتأثرات کا فی تفصیل سے عرض کرنے کا تقاضا میرے دل ودماغ پر ہے، اور یہ میرا فریضہ بھی ہے کہ وہ ہمارے حضرت والد ماجدؒ کی ایک نہایت حسین یادگار تھے، اوران کا گرانمایہ ترکہ تھے، اور گویا ہمارے خاندان کے ایک فرد تھے، مگر ابھی نہ دل ودماغ اس حال میں ہیں اور نہ سفر وحضر کی مصروفیات میں اس کا فوری طور پر امکان ہے ——— سردست عزیز مکرم مولانا سلامت اللہ ندوی کا ایک مضمون، اسی نگاہ اولیں، کے ایک جزو کے طور پر پیش ہے جن کے دل میں بھی ملا صاحب کی بہت قدر ومنزلت تھی اور جو ہمارے ان کے تعلق سے بھی براہ راست واقف ہیں۔

میری کوشش یہ ہوگی کہ آئندہ شمارہ مئی وجون کا مشترک شمارہ ہو، اوراس میں ملا صاحب کا کچھ تفصیلی تذکرہ آجائے۔

محترم قارئین سے حضرت ملا صاحبؒ کے لئے مغفرت ورحمت اور رفع درجات کی دعاؤں کے اہتمام کی گذارش ہے۔

(ب)

مولانا سلامت اللہ ندوی

بہت روئے ہم اس کے جانے کے بعد

حضرت قطب الدین ملا صاحب جمعہ بتاریخ ۲۲ فروری ۲۰۱۳ء کو عصر اور مغرب کے درمیان اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ راقم الحروف کو حضرت ملا صاحب سے پہلی مرتبہ شرف ملاقات ۲۰۰۷ء میں حاصل ہوا تھا۔ ''حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نمبر'' اور ''سوانح مولانا یونس'' میں حضرت ملا صاحب کی علمی شخصیت کا تعارف حاصل ہو چکا تھا۔ ۲۰۰۷ء میں حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب کا بیلگام دعوتی سفر ہوا، حضرت مولانا نے اس عاجز کو بیلگام طلب فرمایا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے خلیفہ ومجاز ہونے کے ناطے اور ''سوانح مولانا یونس'' میں مفتی محمد شاکر صاحب کے قلم سے حضرت قطب الدین ملا صاحب کا تعارف وتعریف پڑھنے کے بعد طبعی طور پر ملاقات کا اشتیاق تھا، ذہن میں تصویر مشیخت کے

لوازمات کے ساتھ تھی لیکن ملاقات پر تعجب ہوا، تمام تکلفات سے دور ایک سیدھے سادے انسان سے ملاقات ہوئی۔ ایک ریٹائرڈ اسکول ماسٹر جس نے سادگی و بے تکلفی، تواضع وانکساری کے پردے میں اپنی علمی وروحانی شخصیت کو چھپا رکھا تھا۔ جنوبی ہندوستان کی مٹی کا خاصہ تواضع وانکساری اور سادگی ہے، ملا صاحب اور بھی زیادہ بلکہ انتہائی منکسر المزاج اور سادہ و بے تکلف تھے، سفر وحضر میں اس عاجز کو ملا صاحب کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہے، ان کے مزاج وشخصیت کے بارے میں میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ سادگی اور عمومیت میں راحت محسوس کرتے تھے، امتیازی شان بنائے رکھنے سے انھیں گھبراہٹ اور وحشت ہوتی تھی۔ تبلیغ کی محنت چونکہ ایک عمومی محنت ہے، اس محنت کا اثر ان کے ذوق ومزاج پر بہت گہرا تھا، پھر سراپا عجز وتواضع حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کی نسبت وتربیت نے تو ان کے فطری رنگ کو دوآتشہ کر دیا، پرتکلف مجالس کے مقابلے میں وہ اپنے شہر بیلگام کے سیدھے سادے غریب ومتوسط درجے کے احباب و مخلصین کے درمیان زیادہ راحت وبشاشت محسوس کرتے تھے۔

ہمارے حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ایک مکتوب میں انکساری و سادگی میں جو راحت ہے اس پر ایک رباعی لکھی ہے، یہ رباعی ملا صاحب کی منکسر المزاجی کا ایک مکمل تعارف ہے ؎

انکساری میں کیسی لذت ہے　　یہ رئیس و نواب کیا جانیں
ہم سے پوچھو مزے فقیری کے　　شیخ عالی جناب کیا جانیں

جیسا کہ عرض کیا گیا ملا صاحب کی دینی زندگی کی ابتدا تبلیغی تحریک کے melting pot میں ہوئی تھی، اس تحریک کا خاصہ شخصیت سوزی ہے ''ہر چہ درکان نمک رفت نمک شد'' کا عنوان اس کے لئے انتہائی موزوں ہے، شخصیت سازی کے لئے تبلیغی تحریک کی فضا انتہائی ناسازگار ہے۔ اور یہی Crisis of identity تبلیغ کے پرانے کام کرنے والوں کے لئے اس وقت ایک بہت بڑا مسئلہ اور ذہنی ونفسیاتی پیچیدگیوں والجھنوں کا سبب بنا ہوا ہے، اس عمومی محنت کے اثرات ملا صاحب پر تادم حیات رہے، وہ تصوف کے میدان میں اگلی صفوں میں جگہ پانے کے باوجود مشیخت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ نہ سکے، آخری دم تک ان کا تبلیغی تحریک سے انتہائی جذباتی تعلق رہا، اس گہرے جذباتی تعلق ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اس کام سے جڑے افراد کے اندر آنے والے انحطاط بلکہ انحراف پر ہمیشہ دکھی وغمگین بھی رہتے، ان کی اس اندرونی فکر وکڑھن

ہی نے ان سے ''تزکیہ واحسان اور اکابرِ تبلیغ'' جیسی بہترین کتاب لکھوائی۔

۲۰۰۷ء میں اس عاجز کو حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب کے خدمت گذار کی حیثیت سے زامبیا میں حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کے اعتکاف میں شرکت کی سعادت ملی تھی، حضرت ملا صاحب کا بھی اس سفر میں ساتھ تھا، اس عاجز کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک رات حضرت ملا صاحب پر خدا جانے کیا کیفیت طاری ہوئی، بے اختیار اٹھے اور حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کے معتکف میں جا کر حضرت سے رو رو کر اپنے دل کا دکھڑا سنایا، اور عرض کیا کہ اُس بلند دربار میں گذارش فرمائیں کہ اس عظیم محنت کی حفاظت کی کوئی تدبیر کی جائے۔ دوسرے دن صبح حضرت دامت برکاتہم کے صاحب زادے عالی قدر حضرت مولانا سیف اللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت ملا صاحب کی اس بے قراری اور تڑپ کا اُدھر یہ اثر ہوا کہ رات بھر حضرت جی دامت برکاتہم پر رقت طاری رہی۔

اسی سفر میں حضرت پیر صاحب نے پہلی مرتبہ رات تقریباً ایک بجے ایک خصوصی مجلس کا سلسلہ شروع فرمایا، سلوک نقشبندیہ پر ایک ویل ڈاکومینٹڈ بیانات کا سلسلہ شروع ہوا، یہ سلسلہ اعتکاف کی آخری رات تک چلتا رہا، اور جسے بعد میں حضرت مولانا صلاح الدین سیفی صاحب نے مرتب کر کے ''زبدۃ السلوک'' کے نام سے شائع کیا۔ وہاں اس مجلس میں شریک بعض اہم حضرات سے اس عاجز نے سنا تھا کہ یہ سلسلہ حضرت ملا صاحب و دیگر بعض ہندوستانی علماء کی رعایت میں شروع کیا گیا ہے، ملا صاحب اگرچہ کہ ایک اسکول ٹیچر تھے لیکن علماء و مشائخ کی صحبت اور قرآن وحدیث اور علماء ربانیین کی کتابوں کے گہرے مطالعے نے انہیں علماء و مصنفین کی صف میں لا کھڑا کر دیا تھا۔ اسلوب نگارش اپنے شیخ اول حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے نقش قدم پر سہل ممتنع کی اعلیٰ مثال تھا، اپنے مافی الضمیر کو انتہائی سادہ اور واضح انداز میں لکھنے اور بیان کرنے کی اعلیٰ درجہ کی قدرت حاصل تھی، زامبیا کے اعتکاف کا سفر نامہ لکھا تو اعتکاف کے شب و روز کا مکمل ریکارڈ اور قاری کے سامنے چلتی پھرتی تصویر کھینچ کر رکھ دی، اپنے شیخ حضرت نعمانی کی کتابوں کے تقریباً حافظ تھے، فنافی الشیخ تھے، وہی رقت، وہی آخرت کا فکر، شب زندہ دار تھے، سفر حضر، بیماری وصحت ہر حال میں آہ سحر گاہی کے پابند تھے۔

اعتکاف کے اسی سال یعنی ۲۰۰۷ء میں حضرت ملا صاحب کو حضرت اقدس پیر ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم سے خلافت واجازت حاصل ہوئی۔

اعتکاف کے اختتام پر چاندرات میں لوسا کامیں محمد بھائی کے باغ کے ہرے بھرے لان پر ایک پرکیف روحانی مجلس سجی تھی، ہلکی ہلکی ہواؤں کے جھونکے درختوں کے پتوں سے ٹکرا کر ماحول کے پس منظر میں موسیقیت کا سماں پیدا کررہے تھے، آنکھوں میں آج بھی اس روحانی مجلس کا عکس ٹھہرا ہوا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے اِس سیارۂ زمین سے دور جنت کی لطیف و پاکیزہ اور معطر فضاؤں میں روحانیت کا ایک اجتماع ہورہا ہے، مقربین بارگاہ جمع ہیں اور مجھ جیسے کچھ **لایشقی جلیسھم** بھی، حاضرین مجلس کے دل ونگاہ کو ایک روشن چہرے والے نے تھام رکھا تھا، اس بزرگ ہستی کے احترام میں سانس بھی لوگ آہستہ آہستہ لے رہے ہیں، ایک لکۂ نور جلوہ افروز ہے جن کی آنکھوں میں برسات کا سا سماں ہے ؎

مزہ برسات کا چاہو میری آنکھوں میں آ بیٹھو سیاہی ہے سفیدی ہے شفق ہے ابر باراں ہے

سفید عمامے، سفید لباس میں وہ تابناک چہرے والی ہستی یعنی ریحانۃ العصر حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم، **أطال الله بقائهم و اعاذهم بكلمات الله التامة من كل شيطان و هامة و من كل عين لامة**۔ اسی مجلس میں حضرت قطب الدین ملا صاحب کو بھی خلافت واجازت سے سرفراز کیا گیا۔ حضرت ملا صاحب کو اس سے قبل حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، چشتی ونقشبندی سلسلہ کے اس سنگم پر حاضرین مجلس میں ہر شخص کی آنکھیں فرط مسرت سے اشکبار تھیں، جب حضرت مولانا صلاح الدین صاحب نے حضرت ملا صاحب کے نام کا اعلان فرمایا تو ملا صاحب اپنے پر قابو نہ رکھ سکے لیکن تعمیل حکم کے سوا چارہ نہ تھا، حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کے دست مبارک سے دستار بندی عمل میں آئی، حضرت ملا صاحب نہ صرف یہ کہ تیل بتی درست کرکے آئے تھے بلکہ پہلے سے ایک عظیم اور نامور سلسلہ کے اجازت یافتہ تھے اس لئے دس دنوں میں تمام اسباق ومقامات طے کرادئے گئے اور اجازت وخلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال کر زامبیا سے رخصت کیا گیا۔

سطحی سوچ اور تنگ نظری کے سبب تبلیغی کام اور تصوف وسلوک کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا ''کارے دارد'' بن گیا، اب تو صورت حال یہ ہے کہ یا تو تبلیغی رہئے یا پھر شیخ بن کر کسی خانقاہ میں بیٹھئے، تصوف کا نام تبلیغ کے حلقہ میں ایک قسم کی چڑ بن گیا ہے، اور صوفی ایک طرح کی گالی، وہ مرد میدان جوان دونوں حلقوں میں ایک ساتھ کام کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ایک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے، ملا صاحب دسیوں سال اس آگ کے دریا میں سفر کرتے رہے، اس جامعیت کا ٹیکس ادا کرتے کرتے اور اپنے ہی

ساتھیوں کی جفا کے تلخ گھونٹ پیتے پیتے کبھی کبھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے ملا صاحب بھی تلخیوں سے بھر گئے ہیں۔ طبعی طور پر رقیق القلب تھے، اوّاہ تھے، منیب تھے، ساتھیوں کی جفا نے انہیں مزید رقیق القلب بنا دیا تھا۔ بیان میں خود بھی روتے، سامعین کو بھی رلاتے، دلوں میں عشق ومحبت کی انگیٹھی گرماتے۔ ایک اسکول ماسٹر ہونے کے باوجود اپنی ہر بات کو چاہے تحریر میں ہو چاہے تقریر میں، علماء راسخین کی طرح قرآن وحدیث اور مشائخ کے اقوال سے مدلل فرماتے۔ شہد کی مکھی کی طرح پچاسوں پچاس کتابوں سے رس چوس چوس کر ''اپنی اصلاح کا مکمل نصاب'' مرتب فرمایا۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے بعض مخلصین اور چاہنے والوں کے کہنے پر کتاب کا نام ''اپنی اصلاح کا مکمل نصاب'' رکھ تو دیا لیکن لفظ ''مکمل'' طبیعت پر گراں گذرتا تھا، فرماتے تھے کہ اس میں ایک قسم کا دعوی ہے، اگر دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی نوبت آئے گی تو 'اپنی اصلاح کا منتخب نصاب'' نام رکھوں گا، مسکین صورت تھے، مسکینوں کی طرح رہے، مسکینوں کے بیچ میں رہے، اور انتہائی سادگی وخاموشی کے ساتھ دنیا سے چلے بھی گئے۔ ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

ریحانۃ العصر حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے جب حضرت مولانا سجاد صاحب پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت وترویج کی ذمہ داری ڈالی گئی تو بعض احباب کا حضرت مولانا سے یہ تقاضا تھا کہ شمالی ہندوستان کے ساتھ ساتھ اس بابرکت سلسلے کی اشاعت کا کام جنوبی ہند اور خاص طور پر بمبئی ومہاراشٹر میں بھی ہونا چاہئے، حضرت ملا صاحب اس فکر کے بہت بڑے محرک تھے، حضرت ملا صاحب نے جنوبی مہاراشٹر اور کرناٹک کے علاقوں میں اپنے حلقۂ متوسلین کو استعمال فرما کر حضرت مولانا سجاد صاحب کے اسفار کروائے، یہ ان کی بے نفسی تھی کہ اپنا پورا حلقہ اپنے شیخ زادے کی خدمت میں پیش کر دیا، اور خود ایک عام آدمی کی طرح حضرت مولانا سجاد صاحب کے ساتھ ساتھ سفر کرنے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج وحضرت نعمانی کا تعارف کرانے میں جی جان سے لگے رہے۔ جنوبی مہاراشٹر وکرناٹک کے ایک اسی طرح کے اصلاحی ودعوتی سفر میں حضرت ملا صاحب سے طویل مذاکروں بلکہ اس مہم میں جی جان سے ساتھ دینے کا عہد وپیمان لینے اور بڑے حضرت نقشبندی دامت برکاتہم سے مشورہ واجازت کے بعد حضرت مولانا نے بمبئی کے آس پاس اس بابرکت سلسلہ کو جاری کرنے کے لئے ایک مرکز کے قیام کی اجازت دی تو طویل تلاش وجستجو کے بعد ممبئی سے تقریباً اسی ۸۰ پچاسی ۸۵ کلومیٹر پر لوکل ٹرین کے ''نیرل''

نامی اسٹیشن سے قریب ''مدا پور'' نامی گاؤں میں خانقاہ نعمانیہ مجددیہ کا قیام عمل میں آیا، (یاد رہے کہ خانقاہ کا یہ نام بھی ملّا صاحب ہی کا تجویز کردہ ہے) اس جنگل و ویرانے میں ملا صاحب حضرت مولانا سجاد صاحب کے لئے بڑا روحانی سہارا تھے، ملا صاحب نے جو عہد کیا تھا اسے نبھایا، سردی گرمی، بارش، صحت، بیماری ہر حال میں وہ پابندی سے ہر ماہ کئی کئی دنوں کے لئے اپنے احباب کے ساتھ تشریف لاتے، باوجودیکہ عرصے سے عارضۂ قلب لاحق تھا، بہت نحیف و کمزور ہو چکے تھے، لیکن ہر ماہ بیلگام سے خانقاہ سفر کی مشقت برداشت فرماتے، جو ساتھ دینے کا عہد کیا تھا اسے آخری دم تک نبھایا، ان کی محبت کے آثار اور ان کی دعاؤں کا اثر آج اس جنگل میں منگل کا سماں پیش کر رہی خانقاہ نعمانیہ کے در و دیوار اور ذرے ذرے سے عیاں ہے۔

حضرت مولانا سجاد صاحب برابر کہا کرتے ہیں کہ حضرت ملا صاحب کی آمد اور ان کی پرخلوص فکرمندی اور مشوروں سے مجھے یہاں کے قیام میں بہت مدد ملی ہے، مولانا کو ان سے بے پناہ انس و محبت تھی اور فکری و روحانی مکمل مناسبت تھی۔

حضرت ملا صاحب خانوادۂ نعمانیہ کے ایک فرد کی طرح تھے، محترم حسان بھائی سے بھی برادرانہ بلکہ دوستانہ تعلق تھا، ان کے شرف اور علمی کمال کی سند کے لئے یہ کافی ہے کہ انہیں لکھنؤ ادارۂ الفرقان کی طرف سے کئی اہم کاموں میں ترتیب و معاونت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اسی طرح وہ لوگ جو حضرت مولانا سجاد صاحب و حضرت ملا صاحب کے آپسی خلوص و محبت، انس و مناسبت کو جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا نعمانی صاحب، حضرت ملا صاحب کی رحلت کے بعد کیسی تنہائی محسوس کرتے ہوں گے

بہت روئے ہم اس کے جانے کے بعد

گذشتہ ماہ یعنی جنوری کے آخری اتوار کی مجلس میں بھی حضرت ملا صاحب شریک تھے، کسی نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ صحبتِ یار آخر شد۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی وفات پر دو شعر پڑھے تھے، ابن ابی ملیکہ کے حوالے سے امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے ؎

وکنا کندمانَی جَذیمَة حِقبةً من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کأنی ومالکا لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

(اے میرے بھائی مالک! ہم قبیلۂ جذیمہ کے دو ہم مزاج و ہم مشرب دوستوں کی طرح

اتنا لمبا عرصہ ساتھ رہے کہ لوگ کہنے لگے اب یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے، لیکن جب موت نے میرے اور مالک کے درمیان جدائی پیدا کردی تو یہ لمبی مدت کا ساتھ کسی ایک رات کے ساتھ سے بھی کم ہو کر رہ گیا۔)

میں سمجھتا ہوں کہ یہ شعر حضرت مولانا سجاد صاحب نعمانی کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتا ہے، کم و بیش ۳۵۔۴۰ سال کی رفاقت کا دور ختم ہوا، ایک ہمدرد مونس و غمخوار چلا گیا۔ سارے تعلقات وقتی ہیں، ساری چاہتیں عارضی ہیں، کفن میں چہرہ چھپا کر ہر کوئی چلا جاتا ہے اور ہر کسی کو جانا ہے، بس ایک تعلق دائمی ہے، ایک ساتھ ہمیشہ کا ساتھ ہے، اور ایک چاہت کو ہمیشہ دوام حاصل ہے، **ویبقٰی وجه ربك ذوالجلال والاکرام**

بگیتی گر کسے پائندہ بودے	محمد ابوالقاسم زندہ بودے

فاعتصموا بمولاکم فنعم المولی ونعم النصیر

جان و دل را جانب دلدار کن

(ج)

<u>مدیر</u>

دارالعلوم دیوبند میں تحفظ سنت کا اجلاس

نہ صرف ملک کے طول و عرض میں بلکہ پوری دنیا میں ایک طرف تو اسلام اور مسلمانوں پر چاروں طرف سے یلغار ہے، اور جان مال، عزت آبرو، دین تہذیب بلکہ قبلۂ اول سے حرمین شریفین تک سب کچھ خطرے میں ہے۔ اور دوسری طرف ایک فرقہ ہے جو مکہ مدینے سے لے کر پوری دنیا کے مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ تم نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے، تم زور سے آمین نہیں کہتے، رفع یدین نہیں کرتے، تم مدینہ جاتے وقت قبر رسول کی زیارت کی نیت کرتے ہو، تم اماموں کی تقلید کرتے ہو، اس لئے تم مشرک ہو، کافر ہو، گمراہ ہو.......

اس بدبخت و بدنصیب فرقے کی جارحانہ و احمقانہ حرکتیں بہت عرصے سے جاری ہیں۔ ضرورت ہے کہ اہلسنت والجماعت کا اجتماعی ضمیر اب جاگے، اور ہمت و قوت کے ساتھ اس سازش کا مقابلہ کیا جائے۔

دارالعلوم دیوبند نے اسی موضوع پر غوروفکر کے لئے ایک اہم مشاورتی اجلاس ۱۳؍فروری 2013 کوطلب کیا تھا، راقم الحروف نے بھی اس میں شرکت کی تھی، اس موقع پر دارالعلوم کے فاضل مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی نے جوخطبۂ افتتاحیہ پڑھا اسے سن کر اور دارالعلوم کے عظیم اساتذۂ کرام حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری، اور حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی وغیرہم کے جوخطابات ہوئے ان سے یہ اندازہ کرکے شرکاء کو بے حد تأثر واطمینان ہوا کہ الحمدللہ ہمارا دارالعلوم اپنے اسلاف کے علمی رسوخ واعتدال اور متانت ووقار کی روایت پر ثابت قدم ہے..... راقم نے اپنی معروضات میں بعض دوسرے حضرات کی پیش کردہ تجویزوں کی تائید کے علاوہ دوخاص باتیں مزید عرض کی تھیں، ایک یہ کہ یہ فتنہ دراصل سعودی حکومت کے زیرسایہ پروان چڑھا ہے، اوراب بھی اسی کی حمایت کے بل بوتے پر قائم ہے۔ دارالعلوم کی ذمّے داری اوراسی کا مقام ہے کہ وہ اس سلسلے میں سعودی حکومت سے صاف صاف گفتگو کا آغاز کرے —— ماضی میں سعودی حکومت کو بعض سنگین غلطیوں سے بچانے کا کام اکابر دارالعلوم کرچکے ہیں۔ اوراب بھی یہ خدمت دارالعلوم ہی کوانجام دینی ہوگی —— دوسری تجویز میں نے یہ پیش کی تھی کہ منتخب مساجد میں شہر کے ممتاز علماء کرام قرآن مجید اور حدیث نبوی کے درس کے حلقے قائم کریں جن میں عوام کی مثبت ذہن سازی کی جائے، اورانھیں بتایا جائے کہ تقلید اور مسلکی اختلافات کی کیا حقیقت ہے، ائمۂ فقہ کا اسلامی تاریخ اور انسانی تاریخ، بالخصوص فقہ وقانون کی دنیا میں کیا مقام ہے، وغیرہ وغیرہ، میں نے اس سلسلے میں اِس عملی مشکل کا بھی ذکر کیا تھا کہ ہمارے مسلک کی زیرنگرانی جومساجد چل رہی ہیں ان میں سے زیادہ تر کے منتظمین کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے —— اوران میں اب ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے جن کا بس چلے تومسجدیں تو درکنار، شہر میں بھی وہ علماء کوکوئی تعلیمی تربیتی پروگرام نہ کرنے دیں، وہ اکثر مسجدوں میں قرآن وحدیث کے درس کے حلقوں کی اجازت نہیں دیتے..... میں نے اس سلسلہ میں تجویز پیش کی تھی کہ دارالعلوم کی طرف سے اس سلسلہ میں باضابطہ مرکز نظام الدین کے ذمّے داروں سے گفتگو کی جائے، اوران کے سامنے پوری صورت حال رکھ کر اس سلسلہ میں اپنے ذمّے داروں کو مناسب ہدایات دینے کا مشورہ دیا جائے ——

راقم کی پیش کردہ پہلی تجویز نے تو قبول عام حاصل کیا، لیکن دوسری تجویز کے بارے میں راقم سے انفرادی طور پر تو بہت سے حضرات نے اپنا مکمل اتفاق ظاہر کیا، لیکن ایسا محسوس ہوا کہ ابھی اس مسئلہ پر مزید

غور وفکر اور عرض معروض کی ضرورت ہے **ولعل اللہ یحدث بعد ذلك أمراً** ——— ذیل میں قارئین الفرقان کی معلومات کے لئے اس اجلاس کی پیش کردہ تجاویز اور اس کی طرف سے جاری ہونے والا اعلامیہ پیش کیا جارہا ہے:

تجاویز

مشاورتی اجلاس تحفظ سنت، دارالعلوم دیوبند

بتاریخ ۱۳ رفروری ۲۰۱۳ء بمطابق ۲ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ بروز بدھ

دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام تحفظ سنت کے موضوع پر منعقد ہونے والا یہ اہم مشاورتی اجلاس پورے اعتماد کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ امت مسلمہ کے لئے راہِ ہدایت، اہل السنۃ والجماعۃ کا وہ راستہ ہے جسے حدیث شریف میں **ماأناعلیہ وأصحابی** کے جامع الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی حضرات صحابہؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں کتاب و سنت پر عمل کرنا اور ائمہ واسلاف کے راستے پر مضبوطی سے کاربند رہنا، جسے ہر دور میں امت کے سوادِ اعظم نے اختیار کیا، اور جس کی نمائندگی پوری جامعیت کے ساتھ اس دور میں حضرات اکابر دیوبند کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اس راہِ ہدایت سے امت مسلمہ کو منحرف کرنے کی جو ناروا کوششیں گذشتہ تقریباً ڈیڑھ صدی سے جاری ہیں، ان کا جھنڈا موجودہ دور میں جماعت غیر مقلدین نے اٹھا رکھا ہے، اور علماء سے امت کا رابطہ منقطع کرنے اور علماء پر اعتماد کمزور کرنے کی مسلسل محنت کے نتیجے میں مسلمانوں کا ایک طبقہ اس نئی فکر سے متأثر ہو رہا ہے، اس لئے علماء کرام اور مدارس اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت مسلمہ کو اس فکری گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور بھرپور جدوجہد سے کام لیں۔

اس مقصد کے لئے یہ اجلاس درج ذیل اقدامات تجویز کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ حضرات علماء، ارباب مدارس اور ملت کے تمام ذمہ دار حضرات ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی عملی کوشش کریں گے۔

(۱) بڑے مدارس طلبہ کو اس موضوع پر تیار کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر محاضرات کا نظام قائم کریں جن میں تکمیلات اور منتہی جماعتوں کے طلبہ شریک ہوں۔

(۲) منتخب اساتذۂ کرام کو اس موضوع پر تربیت دی جائے۔

(۳) بڑے مدارس اپنے یہاں ایسے مبلغین کا تقرر کریں جو اس موضوع پر بھرپور تیاری کے ساتھ کام کرسکیں۔

(۴) اس موضوع پر اساتذۂ مدارس، ائمۂ مساجد اور مقامی علماء کی تدریب کے لئے علاقائی سطح پر تربیتی کیمپ منعقد کئے جائیں۔

(۵) جو مسائل غیر مقلدین اٹھاتے ہیں ان کے بارے میں مختصر و جامع کتابچے تیار کرا کے عام کئے جائیں۔

(۶) مختلف شہروں میں ''مجلس تحفظ شریعت'' کے نام سے کمیٹیاں قائم کی جائیں، جو غیر مقلدین اور دیگر فرق باطلہ کے تعاقب کا کام کریں۔

(۷) جو سادہ لوح عوام یا عصری تعلیم یافتہ لوگ غیر مقلدین سے متأثر ہوتے ہیں ان کو انفرادی محنت اور عمومی جلسوں کے ذریعہ صحیح فکر سے روشناس کرایا جائے۔

(۸) ائمہ مساجد حسب ضرورت اس موضوع پر گفتگو کریں۔ اور ذمہ دارانِ مساجد اس میں ان کا تعاون کریں۔

(۹) طلبہ کو احادیث یاد کرانے کا سلسلہ جاری کیا جائے اور اُن میں بھرپور مسلکی شعور پیدا کیا جائے۔

(۱۰) یہ اجلاس مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ دارالعلوم میں سرگرم عمل شعبۂ تحفظ سنت کے دائرۂ کار کو وسعت دے تاکہ اس کے ذریعہ افرادسازی کا کام بڑے پیمانے پر کیا جاسکے۔

(۱۱) سعودی حکومت اور علماء و مشائخ کو صحیح صورت حال سے واقف کرانے کے لئے دارالعلوم دیوبند کی قیادت میں موقر علماء کا ایک وفد وہاں کا دورہ کرے۔ اور اعلامیہ کے مطابق اجلاس کے اندیشوں اور جذبات سے حکومت سعودیہ کو واقف کرائے کہ غیر مقلدین، سعودی علماء و مشائخ کا نام لے کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں، وہاں سے حاصل شدہ وسائل کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اہل حق سے سعودی عرب کی حکومت اور علماء کو دور کرنے کے لئے غلط پروپیگنڈے کا سہارا لیتے ہیں، اور جالیات کے شعبۂ تبلیغ کا بھی غلط استعمال

کرتے ہیں۔اس طرح وہ سعودی حکومت کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں اور امت میں تفریق پیدا کر رہے ہیں،لہٰذا حکومت سعودیہ کو چاہئے کہ وہ راہِ سلف سے منحرف اس فرقہ کی تائید وتقویت کے بجائے اس پر قدغن لگائے۔

اعلامیہ

مشاورتی اجلاس تحفظ سنت دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۱۳ رفروری ۲۰۱۳ء، مطابق ۲ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ بروز چہارشنبہ

علمائے ہند کا یہ نمائندہ اجلاس ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر اپنے اس اذعان ویقین کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت نجومِ ہدایت ہے، اور ان کی روایت تو حجت ہے ہی، ان کی درایت بھی امت کے لئے نمونۂ عمل ہے۔عہد صحابہ میں جن احکام ومسائل کے بارے میں اجماع ہوگیا ہے وہ دین میں حجت ہیں، ان سے انحراف جائز نہیں، اور جن مسائل میں ان کی آراء مختلف رہی ہیں ہمارے نزدیک حق وصواب انہیں میں منحصر ہوگا، ان سے خروج درست نہیں، اسی طرح وہ مسائل جن پر ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہے اب ان سے خروج بے دینی ہے۔

یہ اجلاس اس بات کا بھی اعلان ضروری سمجھتا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء ومحدثین کی علمی ودینی خدمات اہل اسلام کا ایک عظیم سرمایہ ہے، جن پر مکمل اعتماد ہمارے لئے خیر وفلاح اور سعادت کا باعث ہے، علمائے ہند کے اس اجلاس کا یہ احساس ہے کہ معاندینِ اسلام بالخصوص یورپ اور امریکہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے دائرۂ حدود ونفوذ کو تنگ کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ تحریک چلا رہے ہیں، ایسے پرآشوب وقت میں پورے عالم اسلام کو متحد ہوکر ان کی اس منفی جارحانہ تحریک کا مقابلہ کرنا چاہئے، لیکن جماعتِ غیر مقلدین نے نہ جانے کن تحفظات کے تحت ان کے مقابلے کے بجائے خود مسلمانوں کے خلاف چوطرفہ محاذ کھول رکھا ہے، اور مسلمانوں کے سواد اعظم کو بزعمِ خود دین سے خارج کرنے کی جدوجہد میں مبتلا ہیں، اور افسوس وحیرت تو اس بات پر ہے کہ سعودی حکومت ان غیر مقلدین کی ہر طرح سے ہم نوائی کر رہی ہے، اور ''وزارة الشؤون الاسلامية'' کے شعبہ ''توعية الجاليات'' نے مقلد مسلمانوں بالخصوص احناف کے اکابر علماء کے خلاف مہم چلا رکھی ہے، سعودی حکومت جو اتفاق بین المسلمین کی سب سے بڑی داعی ہے اور ماضی میں اس سلسلہ میں اس نے قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں، وہی آج افتراق بین

المسلمین کا سبب بنی ہوئی ہے، اس کا یہ رویہ جہاں عام مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ ہے وہیں خود سعودی حکومت کے لئے بھی اس کا انجام بہتر نہیں ہوگا۔

یہ اجلاس حکومت سعودی عرب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ پر روک لگائے اور اس کے لئے عملی اقدامات کرے، ورنہ امت کا سواد اعظم ہندو بیرون ہند میں سعودی حکومت کے اس طرزِ عمل پر اپنی بے چینی کا اظہار کرنے پر مجبور ہوگا۔

☆☆☆

محفل (۱۲۵) سورۃ المائدۃ (۳)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

نماز کو اُٹھو تو وضو کرو یا ضرورت ہو تو غسل، اور مجبوری میں تیمم

اس حکم کا مقصد محض تمھیں پاکیزگی دینا ہے، مشقت اور تنگی میں ڈالنا نہیں!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

ترجمہ

اے ایمان والو تم جب نماز کے لئے اُٹھو تو اپنے منہ دھویا کرو اور ہاتھ بھی کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں دھوٹخنوں تک۔ اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو پورے بدن کی طہارت (غسل سے) کرو۔ اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا استنجے سے تم میں سے کوئی آیا ہو یا بیویوں سے قربت تم نے کی ہو اور پھر تمھیں پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی دیکھو اور اس سے مسح کرلو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا۔

اللہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی تنگی تمہارے اوپر ڈالے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ خوب

پاک صاف تمھیں رکھے اور تم پر نعمت اپنی تمام کرے، تاکہ تم شکر گزار (اور قدرداں) ہو(۶) اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمتیں اور اس کا وہ پختہ عہد جو وہ تم سے لے چکا ہے جبکہ تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مانا۔ اور اللہ کا ڈر رکھو۔ بیشک اللہ سینوں کے (چھپے) راز تک جانتا ہے(۷)

ربطِ آیات

اوپر سے چلے آرہے سلسلۂ کلام کا آغاز ''اَوۡفُوا بِالعقُود'' کے ارشاد سے ہوا تھا (کہ اے ایمان والو اللہ کے ساتھ کئے عہد و میثاق کی پابندی نہ بھولو، اس کے فرمائے فرض، واجب اور حلال وحرام سے لاپروائی کو ہرگز راہ زندگی میں نہ دو۔) یہ وہ موقع تھا کہ دین مکمل فرمادئے جانے کا اعلان ہورہا تھا۔ اس موقع پر پابندئ عہد کی یہ ہدایت و وصیت فرماتے ہوئے اوّلاً کھانے پینے سے متعلق حرام وحلال کے احکامات یاددلائے گئے۔ یہ انسانی زندگی کی اوّلین بنیادی ضرورت سے متعلق بات تھی، وہ ضرورت کہ جس پر اس زندگی کی بقا کا انحصار ہے۔ اور اس کی بقا کے ساتھ ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ جن مقاصد وفرائض کے لئے یہ زندگی اسے عطا ہوئی ہے اور جن کی آگاہی اور جن کی طرف دعوت کے لئے یہ قرآن نازل کیا جارہا ہے ان مقاصد وفرائض کے مطابق زندگی اختیار کرے۔ غذائی اشیاء سے متعلق دئے گئے احکام کی روح اگر تلاش کی جائے تو وہ ان احکام میں بار بار آئے ہوئے لفظ ''اَلطَّیِّبت'' میں پوشیدہ ملتی ہے۔ یعنی غذا کی حلت وحرمت اور ممانعت و اجازت کا معیار یہ ہے کہ شئ طیِّب (پاکیزہ) ہے یا نہیں۔ اور دیکھا جائے تو غذا میں پاکیزگی کی اس قید کی ضرورت کا باعث بھی دراصل وہ اعلیٰ مقاصد وفرائض ہی نکلتے ہیں جن کے لئے یہ زندگی عطا فرمائی گئی، کہ ناپاک غذا پر پلنے والا انسان ان مقاصد کی انجام دہی اور ان فرائض کی ادائیگی کے قابل ہو ہی نہیں سکتا۔

اور اب فرائضِ حیات کی بات!

اس کے بعد اب اوپر کی دونوں آیتوں سے ان فرائضِ حیات کے سلسلہ کے احکام کی یاددہانی نماز (صلوٰۃ) سے شروع ہوئی ہے، کہ نماز ہی اس دینی زندگی کی خشتِ اول ہے جس کی دعوت وپکار کے لئے قرآن نازل ہوا۔ یہی تمام ارکانِ دین میں وہ رکن ہے جسے اسلامی زندگی کی پہچان اور نشان کا درجہ حاصل ہے، کہ ہر دن ادا کرنا ہے، اور ایک نہیں پانچ بار کرنا ہے۔ یہاں بھی سب سے پہلے جو چیز یاددلائی جارہی ہے

وہ پاکیزگی اور طہارت کی فکر ہے۔ فرمایا کہ اے ایمان والو جب نماز کے لئے اُٹھو تو اپنے منہ دھواور ہاتھ بھی کہنیوں تک دھو، نیز سر کا مسح کرو اور پھر پاؤں دھوٹخنوں تک۔

اور نماز کو اگر جانا جائے کہ وہ کیا چیز ہے؟ تو اس کے ارادہ پر اس طہارت و پاکیزگی کے اہتمام کا مطالبہ عین فطری اور طبعی نظر آئے گا۔ نماز بالکل واضح طور پر اللہ کے دربار کی حاضری ہے۔ پس قدرتی طور سے کچھ خاص تیاری اور اہتمام اس کے لئے چاہئے۔ یہی اہتمام ہے جسے شریعت میں ''وضو'' کا نام دیا گیا ہے۔ اور کیا ہی خوب نام یہ ہے۔ کہ ''وضوء'' کے لغوی معنیٰ ہوتے ہی ہیں کسی شئ کو پاک اور خوبصورت بنانے ، چمکانے کے۔ گویا فرمایا کہ اللہ کے حضور حاضری کو اٹھو تو اپنے آپ کو کچھ اس کے قابل بنانے کی خاطر پاکیزگی اور خوش روئی حاصل کرنے کا یہ عمل انجام دو۔ اور بالفرض وہ حالت اگر ہے جس میں غسل واجب ہوجاتا ہے، جسے حالتِ جنابت کہتے ہیں، تو غسل کرو۔ فرمایا: فَاطَّهَّرُوا۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بھرپور طہارت کرو۔ جس کا مطلب ہوا پورے بدن کی طہارت، جو غسل ہے۔ اور اسی سے معلوم ہوا کہ اوپر جو وضو کا حکم گزرا اس حکم کی روح بھی طہارت ہی ہے جسے جنابت کی صورت میں آخری حد تک پہنچانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

احکامِ الٰہی کا مقصود صرف بندوں کی پاکیزگی ہے

اور یہ تو ظاہر میں نظر آنے والی طہارت کا حکم ہے، دیکھا جائے تو کوئی دینی حکم بھی اپنے آخری تجزئے میں بجز اس کے کوئی اور غرض نہیں رکھتا کہ بندہ جب اپنے رب کے حضور حاضری کے لئے دنیا سے رخصت ہو تو وہ اندر اور باہر، ہر جہت سے طہارت اور پاکیزگی لئے ہوئے رخصت ہو۔ کسی کی غیبت اس کے اعمالنامہ میں نہ ہو، بدنظری نہ ہو، بدکاری نہ ہو، چوری چکاری نہ ہو، حق ماری نہ ہو، غرور و تکبر نہ ہو۔ کینہ پروری نہ ہو، عاجزی ہو،، عدل ہو، حقوق شناسی ہو، رحم و تحمل ہو۔ غرض گنتے جایئے، کون مثبت اور منفی دینی حکم ہے جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ اس سے لاپروائی کرنے والا بندہ کوئی باطنی گندگی نہیں مول لیتا۔ یہی حقیقت ہے جسے آیت کے آخر میں بایں الفاظ ذہن نشین کرایا گیا کہ: مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ! (اللہ کو تمھیں مشقت میں ڈالنا منظور نہیں ہے جو کچھ منظور ہے وہ یہ ہے کہ تمھیں پاک صاف کرے۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے)

موقع کے اعتبار سے یہ ارشاد گرچہ خاص وضو و غسل کی پابندی سے متعلق آرہا ہے لیکن الفاظ کی

عمومیت اسے دین کے ہر حکم وہدایت سے متعلق کرتی ہے۔اور یہی واقعہ ہے۔سورۂ احزاب (۳۳) جہاں ازواجِ نبی ﷺ کو مخاطب فرما کر کچھ خصوصی احکام وہدایات دی گئی ہیں وہاں آخر میں اس کا مقصد یہی تطہیر بیان کیا گیا ہے۔فرمایا گیا ہے: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا۔ (آیت ۳۳) اسی سے وہ ''ازواجِ مطہّرات'' کہلائیں۔

تیمم کی رعایت کھلا ثبوت ہے کہ تنگی مقصود نہیں

اور یہ بات محض کہنے ہی کی نہیں کہ اللہ کی مرضی یہ نہیں کہ تمھیں کسی مشقت میں ڈالے، بلکہ ساتھ ہی میں ثبوت بھی موجود ہے کہ وضو اور غسل سے کوئی مجبوری ہے تو پھر وہ لازم نہیں رہتا۔اس کا بدل تیمم جیسی آسان چیز سے کر دیا گیا ہے، جس سے اتنا مقصد بہر حال حاصل ہو جاتا ہے کہ بندہ شعور واحساسِ بندگی کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔اور یہ بھی ایک درجہ کی طہارت ہے۔تاہم یہ رعایت تو بس کبھی کبھی کے حالات میں کام آنے والی چیز ہے، اصل تو وضو اور غسل ہی ہے۔اور اللہ کے اُن بندوں کو چھوڑ کر جو پیدا ہی ہوتے ہیں ذوقِ عبادت لئے ہوئے عام آدمی کے بارے میں یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ اسے وضو اور غسل کے اہتمام کے مقابلہ میں خالی نماز پڑھ لینا آسان ہوگا۔پس شاید یہی حکمت ہو کہ وضو اور غسل کی فرضیت جو ابتدائے اسلام سے چلی آرہی تھی اس کی یہ خصوصی تاکید تکمیل دین کے اس موقع پر فرمائی جائے۔اس لئے کہ وضو نہیں تو نماز نہیں، اور نماز نہیں تو دین ہی کہاں؟ پس وضو آدمی کو صرف نماز میں کھڑے ہونے کے قابل ہی نہیں بناتا، یہ تو دروازہ ہے دینی زندگی میں عملاً داخلہ کا اور اُس ''طہارت'' کے لئے احساس جگانے کا جو کیا نماز اور کیا روزہ، سارے دینی اوامر ونواہی کی پابندی کرانے سے مقصود ہے۔سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے: خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَ تُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا۔ (اے نبی ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے لو، کہ اس کے ذریعہ تم انھیں پاک صاف کر دو گے۔۹:۱۰۳)

وضو سے حاصل ہونے والی طہارت حدیث کی روشنی میں!

وضو کا کیا مقام انسان کو طہارت عطا کرنے میں ہے۔اس کا بہت مکمل اظہار آنحضرت ﷺ کی احادیث سے ہوتا ہے۔مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے صحیح مسلم کی روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرے سے وہ سارے گناہ نکل جاتے (اور گویا دُھل جاتے

ہیں) ہیں جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہوجاتے ہیں اور دُھل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں سے ہوئے ہوں، اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہوجاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے ہوں اور جن کے لئے اس کے پاؤں استعمال ہوئے ہوں۔ یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے۔'' (ترجمہ از معارف الحدیث جلد سوم مطبوعہ الفرقان لکھنؤ)

بالفاظِ دیگر اب بندہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ اللہ کے حضور میں کھڑا ہو سکے۔ اس لئے کہ وضو کے سلسلہ میں اللہ کی حکم کی تعمیل نے اس کے اعضاء سے ان گناہوں کے اثرات زائل کردئے جو خواہی نہ خواہی اور کبھی نہ کبھی ہو ہی جاتے ہیں، یعنی صغیرہ قسم کے گناہ۔ اور ان ہی گناہوں کے لئے قرآن پاک میں آیا ہے: اِنَّ الحَسَناتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئات (نیک اعمال گناہوں کو دھوڈالتے ہیں) باقی جو بڑے درجہ کے گناہ ہیں اور کبیرہ کہلاتے ہیں ان کا معاملہ الگ ہے۔

اور آدمی سمجھے تو بڑی بات ہے کہ وضو کو طہارت ہی کا ذریعہ نہیں قرار دیا جارہا بلکہ لِیُطَھِّرَکُم کے آگے اس کی تعمیل کو اتمامِ نعمت کا ذریعہ بھی بتایا جارہا ہے، کہ فرمایا: وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیکُمْ (اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے) اور اس کی وجہ بظاہر وہی ہے کہ وضو ہی دینی وایمانی زندگی میں عملاً داخلہ کا دروازہ ہے۔ گویا اسی سے درِ نعمت کھلتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَتْمِمْ علینا نِعْمَتَکَ و لا تَجْعَلْنا مِنَ الخاسِرین!

وضو اور تیمم کے حکم کی کچھ ضروری وضاحت

وضو ہو یا تیمم اس کی فرضیت کا تعلق ہر نماز سے نہیں بلکہ وضو نہ ہونے کی حالت سے ہے۔ اگر وضو ہے اور نماز کا وقت آگیا تو تازہ وضو کی فضیلت تو ہے فرضیت نہیں ہے۔ نیز جن چار اعضاء کا ذکر آیت میں آیا یہ وہ ہیں جن سے متعلق حکم کا درجہ فرض کا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔ لیکن جس طرح فرض نمازوں کے ساتھ کچھ سنتیں ہیں جن کا علم ہمیں احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے (بلکہ نماز کا پورا طریقہ ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہے) اسی طرح وضو کے ان چار فرائض کے علاوہ کچھ سنتیں اور کچھ آداب بھی ہیں جو احادیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہے اور آپ نے ان کی ہدایت امتیوں

کو بھی فرمائی۔ اور احادیث ہی سے ان چار فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے، جس کا قرآنی الفاظ سے پورے طور پر اظہار نہیں ہوتا۔

وضو کے طریقہ کے سلسلہ میں بخاری و مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ وضو فرمایا اور اسے مکمل کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بالکل اسی طرح وضو فرمایا تھا اور پھر ارشاد ہوا تھا کہ ''جس کسی نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر دو رکعت نماز ایسی دلی توجہ سے پڑھی کہ دھیان ادھر اُدھر کی باتوں میں نہیں بٹا تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔'' حدیث کے راوی حضرت حُمران ؓ (تابعی) کے مطابق حضرت عثمان نے اس موقع پر وضو میں پہلے تین دفعہ ہاتھ دھوئے پھر کلی کی اور ناک کو پانی ڈال کر صاف کیا پھر چہرہ تین دفعہ دھویا پھر سیدھا ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا اسی طرح اُلٹا ہاتھ تین بار کہنی تک دھویا پھر سر کا مسح کیا پھر تین بار داہنا پاؤں اور پھر تین ہی بار بایاں پاؤں دھویا (صحیح بخاری کتاب الوضوء) یہ وضو کا اعلیٰ اور مسنون درجہ ہے۔ ورنہ، جیسا کہ قرآن کے الفاظ کا تقاضہ ہے، حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض ایک ایک بار سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا ''ایک بار تو لابُدی (Must) ہے۔ دو بار میں اجر بڑھ جائے گا اور تین تین بار کرنا یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا طریقِ وضو ہے''۔

وضو کے مسنون طریقہ میں کچھ آداب بھی احادیث میں آتے ہیں۔ مثلاً داہنے ہاتھ سے شروع کرنا جو اوپر کی روایت میں بھی آ گیا، نیز شروع میں اللہ کا نام لیا جائے، جیسے بسم اللہ۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا نام لئے بغیر شروع کیا گیا وضو بس اعضاءِ وضو کو پاک کرتا ہے، جبکہ اللہ کے نام کی برکت سے اس کی پاکیزگی (اور نورانیت) پورے جسم میں سرایت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ مسواک کی جائے، اعضاء کو مل مل کر دھویا جائے، داڑھی اور انگلیوں کے بیچ میں خلال کیا جائے۔ سر کے مسح میں کانوں کو بھی اندر اور باہر انگلی اور انگوٹھے سے صاف کیا جائے۔ انگوٹھی پہنی ہوئی ہے تو اسے حرکت دی جائے کہ نیچے خشکی نہ رہ جائے۔ اور اس سب کے ساتھ ساتھ پانی بے ضرورت بالکل نہ بہایا جائے۔ (یہ سب مختلف روایتوں میں آتا ہے جن کے متن کے لئے مشکوٰۃ شریف یا معارف الحدیث دیکھی جا سکتی ہے۔)

سر کا مسح اور پاؤں دھونے کا مسئلہ

وضو کے ان دو فرضوں کے بارے میں قرآنی الفاظ کی تشریح میں رائیں کچھ مختلف ہوئی ہیں۔ سر کے

مسح کے بارے میں (جس کا مطلب ہے ہاتھ بھگو کر سر پر پھیرنا) تین رائیں ہیں۔اور گنجائش کم از کم ظاہری طور پر سب ہی کی نکلتی ہے۔ اول یہ کہ آیت پورے سر کا مسح (یعنی ہاتھ بھگو کر اس پر پھیرنا) فرض کرتی ہے، دوم یہ کہ فرض کی ادائیگی کو جزوی مسح کافی ہے، وہ کتنا ہی تھوڑا ہو، سوم یہ کہ پورے سر پر تو نہیں لیکن چوتھائی سر پر ہاتھ پھرنا ضروری ہے۔ یہ آخری مذہب جو دو انتہاؤں کے بیچ کا ہے، حنفیہ کا ہے، جس کے لئے وہ حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ زیادہ تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ پاؤں کے بارے میں اختلافِ رائے میں ایک قول دھونے کے بجائے ان پر بھی سر کی طرح مسح کر لینے کا ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ کہ پاؤں (اَرْجُلَکُم) کا لفظ مسح والے حکم (وامْسَحُوا بِرُؤسِکُم) کے ذیل میں آیا ہے (یعنی سر کا مسح کرو اور پاؤں کا) نہ کہ (وَاغسِلُوا) دھونے والے حکم کے ذیل میں۔ یہ مذہب شیعہ علماء کا ہے۔

اس اختلافِ تأویل پر بڑی طویل بحثیں بعض مفسرین کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن مسئلہ کچھ بھی قابلِ بحث نہیں رہتا اگر اس حقیقت کی طرف توجہ دی جائے، جس کا اوپر ذکر بھی آچکا، کہ وضو اس آیت کے نزول سے شروع نہیں ہو رہا تھا۔ آیت تو تاکیدی نوعیت کی ہے، کہ سورت ہی قرآن کے آخری زمانے کی سورتوں میں سے ہے۔ پس یہ دیکھنا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کا طریقۂ وضو کیا تھا۔ اور وہ دیکھا جاتا ہے تو پاؤں دھونا ہی ملتا ہے، مسح صرف خُفَّین پر۔ پس آگے بحث کے لئے کچھ نہیں رہ جاتا۔ اور ایسا نہیں ہے نہ ہو سکتا تھا کہ الفاظِ قرآنی اس طریقِ وضو پر منطبق نہ ہوتے ہوں اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اس کے مخالف جا رہی ہو۔ علاوہ ازیں جن اعضاء کے دھونے کا حکم مسلّم ہے کیا ان میں کوئی پاؤں سے بڑھ کر اس حکم کا مستحق ٹھیرایا جا سکتا ہے؟ مزید برآں، پاؤں کے ساتھ ''دونوں ٹخنوں تک'' کی لگی ہوئی قید پر بھی اگر توجہ دی جائے تو وہ بھی صاف قرینہ دھونے ہی کی ترجیح کا بنتا ہے کہ سر میں تو ایسی کوئی قید نہیں۔

آخری آیت کی روشنی میں وضو کا مقام

اوپر کی دوسری آیت کا آخری جملہ تھا؛ ما یُرِیدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ ۔۔۔ الخ (اللہ تمھیں کسی مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا وہ بس تمہاری طہارت چاہتا ہے۔) اس کے بعد تیسری آیت میں فرمایا جا رہا ہے: وَاذکُروا نِعمَۃَ اللّٰہ علیکم ۔۔۔ (اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کا دھیان کرو اور اس کے اس عہد کو نہ بھولو جو اس نے اس وقت تم سے پختہ کیا جب تم نے قول دیا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا (سَمِعْنا و اَطَعْنا)۔ اور دیکھو اللہ سے ڈرو کہ اللہ سینے کے چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔'') یہ تیسری آیت صاف طور پر اسی اوپر کے جملے میں فرمائی گئی

بات کی تاکیدِ مزید کا ایک پیرایہ ہے، کہ اللہ نے جس نعمتِ اسلام سے تم کو نوازا ہے (جس کی تکمیل کا مژدہ اوپر سنایا جاچکا) اس کا خیال کرو تو احکام شریعت پر چلنے کی مشقت بھلا کوئی مشقت ہے؟ اور اس اعزاز و نعمت کے حق کے علاوہ تم تو اسلام قبول کر کے "سمِعْنا و اَطَعنا" کا جو عہد دے چکے ہو کیا اس کے بعد بھی کسی تنگی اور مشقت کا احساس کوئی معنیٰ رکھتا ہے؟ یہ ارشاد ہے تو یقیناً اُسی وسیع معنیٰ میں جس وسیع معنیٰ میں ما یُرید اللّٰہ والی بات فرمائی گئی تھی۔ یعنی وضو کے ذیل میں آنے کے باوجود وہ اسی تک محدود نہ تھی بلکہ تمام احکامِ شریعت پر حاوی تھی۔ لیکن وضو کی تاکید کے ہی ذیل میں اس نعمتِ اسلام اور عہدِ سمع وطاعت کو یاد دلانے والی آیت کا آنا وضو کو جو اہمیت عطا کرتا ہے وہ نظر انداز کی جانے والی چیز نہیں ہے۔ یہ وضو کی اسی گہری معنویت کی دلیل ہے جسے اوپر واضح کرنے کی کوشش کی گئی۔ والعلم عنداللہ۔

عہد "سَمِعنا و اطَعنا"

"سمِعْناوَ اَطَعنا" کہنے کی بات اگرچہ اول درجہ میں اور لفظاً تو ان خوش بخت حضرات پر صادق آتی ہے جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت ملی۔ بیعت کے معنیٰ ہوتے ہی "سمع و طاعت" کے عہد کے ہیں۔ اور "سمع وطاعت" کے الفاظ بھی اس موقع پر اِن حضراتؓ سے منقول ہیں (کہ جو حکم ہوگا دل جان سے مانیں گے)۔ تاہم یہ عہد ان ہی حضرات تک محدود نہیں، ہر وہ شخص جو شعور کے ساتھ اسلام قبول کرنے یا اس پر سنجیدگی سے چلنے کا فیصلہ کرتا ہے یہ اس پر صادق آتی ہے۔ اور اگر اس پہلو پر غور کیا جائے کہ یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب نزولِ قرآن کا سلسلہ مکمل ہو رہا تھا تو یہ تاکید و تنبیہ گویا زیادہ تر ہم بعد والوں ہی کے لئے تھی۔ اور ضرورت بھی بیشک ہمارے ہی لئے زیادہ تھی ورنہ وہ خوش بخت تو "نمازِ عشق ادا کرتے تھے تلواروں کے سائے میں!

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنا مِنَ التَّوَّابینَ وَ اجْعَلْنا مِنَ المُتَطَھِّرینَ

☆☆☆

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ✶

کوئی دیکھے نہ دیکھے، اللہ دیکھ رہا ہے

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد

بزرگو اور دوستو! یہاں آکر مجھے یہ مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ آج اتنے بڑے مجمع میں جہاں منتخب حضرات ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا، اور مولانا محمد مبین صاحب ندوی نے جو فرمایا وہ بھی سننے کا موقع ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت دعوت بنایا ہے، اور امت دعوت کے ساتھ خیر امت بھی بنایا ہے، یعنی سب سے بہتر امت یہی ہے، امتیں بہت آئیں، حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک امتیں بہت آئیں، لیکن ان ساری امتوں میں سب سے بہتر اور مکمل امت اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بنایا، حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسا قبول فرمایا کہ ان کی اس پوری امت کو سردار بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمادیا کہ ان کے راستے پر چلو ''اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری امت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا تھا؟ جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ''خلیل اللہ'' کا خطاب دیا ''وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً'' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا، یہ فضیلت کسی انسان کو حاصل نہیں اور ان کے علاوہ ملائکہ کو بھی شاید حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ فضیلت کیوں دی؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ فضیلت کیوں دی؟ کوئی رشتہ نہیں تھا، وہ انسان تھے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق تھے، اللہ تعالیٰ سے کوئی برابری ہو ہی نہیں سکتی تھی، پھر یہ مرتبہ کیوں دیا؟ یہ ان کی قربانیوں کی وجہ سے

✶ جانشین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔

ہے، جو قربانیاں حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیں وہ انسان کے لئے آخری درجہ کی قربانیاں ہوسکتی ہیں، اس سے زیادہ قربانی کوئی انسان نہیں دے سکتا۔ انھوں نے تین قربانیاں دیں، ہر قربانی آخری درجہ کی قربانی تھی، ایک تو اپنا وطن، اپنے خاندان کو چھوڑا، جہاں وہ خوشحالی کی زندگی گذار رہے تھے، اور ایک بڑی شخصیت کے بیٹے تھے، بڑی عزت تھی، لیکن اللہ تعالی کو مان کر، اس کو رب واحد مان کر، انھوں نے دیکھا کہ وہاں ایمان کو بچا کر نہیں رہ سکتے تو ساری چیزوں کو قربان کیا اور چلے گئے، اس کے بعد انھوں نے قربانی دی کہ اپنی بیوی کو، اپنے شیر خوار بچے کو لے جا کر ایسے صحراء میں چھوڑا ہے جہاں نہ پانی تھا نہ کھانا، جو کچھ توشہ لے گئے ہوں گے وہ توشہ کتنے روز چل سکتا تھا، لیکن اللہ تعالی کا حکم تھا اس لئے انھوں نے اپنے بچے اور اپنی بیوی کی قربانی دی اور ایسی جگہ چھوڑ آئے جہاں نہ کھانے کا اور نہ پانی کا انتظام تھا، جتنا لے گئے وہ چار روز چلا ہوگا، چنانچہ یہی ہوا، اور جب پانی ختم ہوگیا تو بچہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے، ماں بیچین ادھر ادھر ماری ماری پھر رہی ہے کبھی اس ٹیلے پر چڑھتی ہے کبھی اس ٹیلے پر، اور دور دور تک نظر ڈالتی ہے کہ کہیں کوئی ایسے آثار ہوں جہاں سے پانی مل سکے، اور بچے کی جان بچائی جاسکے، سات مرتبہ وہ پہاڑیوں پر چڑھیں اتریں اور مایوسی کی کیفیت تھی، حضرت ابراہیمؑ کیا نہیں جانتے تھے کہ پانی ختم ہوجائے گا تو کیا حال بنے گا؟ لیکن انھوں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کردیا تھا، جس کو اسلام کہتے ہیں۔

اسلام کے معنی ہی ہیں سپرد کردینے کے، جو اللہ کہے، ہمیں کرنا ہے، کچھ سوچنا نہیں ہے، یہ قربانی اللہ کو ان سے لینا تھی، لیکن قربانی کے نتیجہ میں ان کو بچانا تھا جو ان کو بعد میں معلوم ہوتا رہا، اللہ تعالی نے ان کو بچا لیا، زمزم پیدا کردیا، پھر کچھ لوگ پانی کی تلاش میں آگئے، انھوں نے دیکھا کہ زمزم ہے، یہاں آکر ٹھیر گئے، اس طریقے سے وہ لوگ سلامت رہے۔ بیٹا بڑا ہوا، دوڑ بھاگ کرنے لگا اور ماں باپ کی خدمت میں نہایت سعادت مندی کا ثبوت دینا شروع کردیا تو ماں باپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی تھی، حکم آیا، بیٹے کو ذبح کردو، کس بیٹے کو؟ جو سعادت مند بیٹا بن گیا ہے، ماں باپ کی خدمت کررہا ہے، ہر طرح سے ان کے لئے سہارا بنا ہوا ہے، چونکہ انھوں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کردیا تھا اس لئے وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور انھوں نے گردن پر چھری تک پھیر دی، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ تین قربانیاں اللہ نے ان سے لیں اور پھر ان کو نہال کردیا، اللہ تعالی نے ان کو قیامت تک کے لئے امام بنادیا اور اس امت کے بھی امام ہوگئے، انھوں نے اپنے اس طریقے کو اسلام قرار دیا ''وَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ .....، انھوں نے تمہارا نام مسلمین رکھا یعنی اپنے کو اللہ کے سپرد کردینے والے۔

اللہ نے ایمان والوں کی جانوں کو خرید لیا ہے

اور اسی کو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کہا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ '' اللہ تعالی نے ایمان والوں کی جانوں کو ان کے مالوں کو خرید لیا ہے اور اس کا معاوضہ جنت رکھا ہے، آخرت میں معاوضہ اللہ دے گا، لیکن اس نے خرید لیا ہے، خرید لینے کے بعد مال خریدار کا ہو گیا، اپنا نہیں، اب خریدار تو مال اٹھا کر نہیں لے گیا، لیکن مال اسی کا ہے، ہم اس میں اب تصرف نہیں کر سکتے، بیچنے سے پہلے ہم جو چاہتے تصرف کرتے لیکن جب بیچ دیا اور معاملہ طے ہو گیا تو اب ہم اس مال میں تصرف نہیں کر سکتے، الا یہ کہ خریدار خود کہے کہ آپ اس کو رکھئے، استعمال کیجئے، ہمیں جب ضرورت ہوگی آ کے لے جائیں گے، تو اب ہم اتنی مقدار میں استعمال کر سکتے ہیں جتنی اس نے اجازت دی ہے، اپنی طرف سے اور کوئی تصرف نہیں کر سکتے، ہم سب اس بات کو جانتے ہیں۔ تو اللہ تعالی نے ایمان والوں کی جان کو ان کے مال کو خرید لیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ سودا ہو گیا ہے اور تمہیں اس معاملہ کا صلہ جنت میں ملے گا، اب ہمیں اختیار نہیں رہ جاتا کہ اللہ کی اجازت کے بغیر اس میں کوئی تصرف کریں، اپنی جانوں میں نہ اپنے مالوں میں، لیکن اللہ تعالی نے ہمارے لئے آسانی رکھی ہے، دین کو آسان بنایا ہے، ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم اپنی جانوں کو اپنے مال کو ان چیزوں میں استعمال کر سکتے ہیں جن چیزوں میں استعمال کرنا ضروری ہے، اپنے کو بچانے کے لئے مال کو بچانے کے لئے اور کوئی غلط طریقہ اختیار نہیں کر سکتے، اور اس کے لئے اللہ تعالی نے شریعت مقرر کر دی ہے، اس کے ساتھ ہم کو خیر امت بنایا گیا ہے۔

ہم دوسروں کی ہدایت کی فکر کریں

ہمارے ذمہ یہ کیا گیا کہ ہم دوسروں کی ہدایت کی فکر کریں، ان تک حق کا پیغام پہنچائیں، امت دعوت بنایا تو اب ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے خلاف نہ کریں اور حق کی دعوت دوسروں تک پہنچائیں اور مسلمانوں نے اس کام کو کم وبیش طریقے سے انجام دیا، جہاں انھوں نے اس کام کو انجام نہیں دیا وہاں آخر میں ان کو مصیبتیں پیش آئیں، اللہ کی رحمت ان سے دور ہو گئی، اور اللہ کی رحمت اس کے ساتھ رہتی ہے جو اللہ کی بات مانے، اور جو اللہ کی بات نہ مانے تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے، تو رحمت کیسے بھیجے گا؟ ہم لوگ شکوہ شکایت کرتے ہیں مصائب کی، آفات کی اور پریشانیوں کی، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ پریشانیاں ہمیں کیوں لاحق ہیں؟ اصل بات یہی ہے کہ اللہ کی نظر ہر وقت اس عالم پر اور ساری مخلوقات پر

ہے، ہر چیز کو وہ جان رہا ہے، دیکھ رہا ہے اور اسی حساب سے وہ معاملہ بھی کرتا ہے، اگر دیکھتا ہے کہ مخلص ہے، اللہ کے حکم پر چلنے والا ہے تو رحمت کرتا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا ہے تو اپنی رحمت کو روک لیتا ہے اور اللہ تعالی رحمت کو روک لیں تو پھر تو دنیا میں کوئی رحمت لا نہیں سکتا، جو کچھ ہم کو ملا ہے، انسانوں کو ملا ہے، سب اللہ کا دیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اگر ناراض ہو جائے تو وہ چیزیں رک جائیں گی، ظاہر ہے کہ وہ چیزیں اللہ کے تابع ہیں، اللہ جیسا چاہے گا ویسا ہوگا۔

ہم خیر امت ہیں

ہم کو سوچنا چاہئے کہ ہم خیر امت ہیں، امت دعوت ہیں، ہم اس کو کہاں تک انجام دے رہے ہیں؟ اور اس کو انجام دینے میں ہم کوتاہی کریں گے تو ہم کو پریشانیاں لاحق ہوں گی، مسلمانوں کے بعض ملک ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اس لئے کہ انھوں نے اس کام میں کوتاہی کی، داعی امّت نہیں بنے، ہم داعی امّت بن جائیں تو پھر سب لوگ حق کو قبول کرلیں گے، سوائے چند آدمیوں کے، چند ایسے ہو سکتے ہیں بد بخت کہ جن کو ہدایت حاصل نہ ہو، لیکن جب ہدایت سامنے آتی ہے تو کوئی بھی معقول انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا، اللہ نے ایسا دین بنایا ہے اور ایسا عقیدہ عطا فرمایا ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی اس کو جان لے تو اس کو اختیار کرنے پر وہ مجبور ہو جاتا ہے۔

حق بات پہنچانے میں کوتاہی

صحابہ کرامؓ کے حالات میں دیکھیں کہ سخت دشمن بن کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تو فوراً انھوں نے اسلام قبول کرلیا، تو کوتاہی دراصل ہماری ہے، اللہ تعالی کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچ رہا ہے، جس ملک میں یہ کوتاہی ہوئی وہاں مسلمانوں کو برا نتیجہ دیکھنا پڑا، اس ملک میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم حق بات ان لوگوں تک پہنچائیں جن کو معلوم نہیں ہے۔ اور اللہ تعالی کی نافرمانی سے بچیں، دو چیزیں ہمیں لازمی کرنی پڑیں گی کہ ہم دوسروں تک حق کو پہنچائیں اور یہ کہ ہم نافرمانی سے بچیں، ہم یہ کریں گے تو اللہ کی رحمتیں آئیں گی اور ہمارے اوپر جو مصیبتیں آرہی ہوں گی دور ہو جائیں گی، اس کی مثالیں ہیں، لیکن اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو رحمتوں کے ملنے کا مسئلہ پھر نہیں رہ جاتا، اور ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت غفلت میں مبتلا ہے، حق کا پیغام پہنچانے میں اور اللہ تعالی کی نافرمانی سے بچنے میں، بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور حق کی دعوت پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں، ان ہی کی وجہ سے

معاملہ ٹکا ہوا ہے اور یہ قائم رہے گا تو انشاء اللہ ٹکا رہے گا لیکن مسائل آتے رہیں گے، کیونکہ اکثر لوگ اس معاملہ میں بہت غفلت سے کام لے رہے ہیں، تو ہم میں سے ہر شخص پر فرض ہے کہ ان دو باتوں کا خیال رکھے کہ جہاں وہ حق بات پہنچا سکتا ہو وہاں پہنچائے، اور حق بات پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے یہ فرمادیا ہے کہ اس کو سمجھ داری کے ساتھ حکمت کے ساتھ کرو، ''اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ'' یہ نہیں کہ ایسی بات کہہ دو جس سے اور خرابی پیدا ہو جائے، بہت خیر خواہی کے ساتھ، ہمدردی کے ساتھ اور معقول حکمت کے ساتھ حق کی بات پہنچادے، اور اس بات کا بھی جائزہ لیتا رہے کہ ہم سے کوئی ایسا عمل تو نہیں ہو رہا ہے کہ جس سے اللہ کی ناراضی ہو، اس لئے کہ ہمارا فائدہ اور نقصان ہے، اللہ تعالی کا کوئی فائدہ اور نقصان نہیں ہے، اگر ساری مخلوق کافر ہو جائے کوئی بھی مومن نہ رہے تو بھی اللہ تعالی کا کوئی نقصان نہیں، اور سب مسلمان ہو جائیں کوئی کافر نہ رہے تو بھی اللہ کا کوئی فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے، اس نے تو ہمارے ہی فائدے کے لئے کہا ہے کہ تم اگر صحیح راستے پر چلو گے تو ہم تمہیں آخرت میں نہال کر دیں گے اور ایسی نعمت عطا کریں گے کہ وہ کبھی ختم نہ ہوگی اور اگر نہیں کرو گے تو وہاں محروم رہو گے، تو ہمیں اپنے حالات درست کرنے کے لئے اور عافیت وسلامتی کے لئے ان دو چیزوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے، جب اس کا اہتمام کریں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ تعالی عافیت اور سلامتی عطا فرمائے گا اور خیر سے نوازے گا اور اگر ہم حق کی بات پہنچانے کی کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالی ہم سے خوش ہوگا اور مزید نعمتیں عطا فرمائے گا۔

اولاد کی تربیت کی فکر کرنی چاہئے

اس میں سب سے بڑی ذمہ داری عورتوں پر آتی ہے، اس لئے کہ عورتوں کی گود میں بچے پلتے ہیں اور نئی نسل عورتوں کے راستے سے ان کی گود میں تیار ہوتی ہے، وہ اگر اپنے بچوں کی صحیح دینی تربیت کرتی ہیں تو بڑے ہو کر دین پر عمل کرنے والے ہوں گے اور اس امت کے سردار ہوں گے اور امام بنیں گے، اور اگر ان کی صحیح طور سے تربیت نہیں ہوگی تو دنیا میں جیسے افراد بن رہے ہیں ویسے افراد بنیں گے، اس لئے عورتوں کی ذمہ داری بہت زیادہ ہو جاتی ہے، کیونکہ نسل عورتوں ہی کے ذریعہ سے تیار ہوتی ہے یعنی بچے کا سابقہ اپنی ماں سے کم از کم ۶۔۷ سال کی عمر تک ضرور رہتا ہے اور گہرا رابطہ رہتا ہے، اور یہ مدت ایسی ہے کہ اس میں دلوں پر جو نقش ہو جاتا ہے، ذہن پر جو نقش ہو جاتا ہے تو زندگی بھر وہ نقش نہیں چھوٹتا ہے، اس کی مثالیں ہیں، اصل جو بنیادی عمر ہے یہی ۵۔۶۔۷ سال کی ہے، اس کے بعد تربیت کا سلسلہ رہتا ہے، لیکن یہ بنیاد جیسے جڑ

ہوتی ہے اگر جڑ صحیح ہے تو درخت ترقی کرے گا، اس میں پانی دینا مفید ہوگا، اور اگر جڑ ہی خراب ہے تو آپ کتنا ہی پانی دیجئے پانی سے اثر نہیں پڑے گا، اس لئے یہ عمر بچوں کی جو ماں کے ساتھ گذرتی ہے اس کی بڑی اہمیت ہے، عورتوں کو اس بات کا مکمل خیال کرنا چاہئے۔

اللہ تعالی نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے

دیکھئے اللہ تعالی نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے، یوں ہی نہیں پیدا کی ہے، اللہ تعالی خود فرماتا ہے، تم سمجھتے ہو کہ ہم نے بیکار پیدا کیا ہے؟ بیکار نہیں پیدا کیا ہے، اللہ تعالی نے دنیا بنائی، اور اس پر انسانوں کو بسایا اور ان کو سہولتیں اور سارے وسائل دئے تا کہ دیکھے کہ وہ ان وسائل کو کیسے استعمال کرتے ہیں، اپنے رب کی نافرمانی میں یا فرمانبرداری میں، دنیا بنائی جانچنے کے لئے، امتحان کے لئے، اس میں بیماریاں بھی ہوں گی، موتیں بھی آئیں گی، یہ سب چیزیں آزمائش کے طور پر ہیں۔

ہمیں اللہ سے لو لگانی چاہئے

اللہ تعالی کی طرف سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں، بیماری ہو، صحت ہو، موت ہو، زندگی ہو، سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، یہ عقیدہ ہونا چاہئے ہر ایک کا، اللہ تعالی نے قرآن میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ سب کچھ ہم ہی کرتے ہیں، یہ نہ سمجھو کہ چھوٹی چیز ہم نہیں کرتے، چھوٹی سے چھوٹی چیز اللہ کے کرنے سے اور اس کے حکم سے ہوتی ہے، بڑی سے بڑی چیز بھی ہوتی ہے، جب اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے تو ہمیں اللہ سے لو لگانی چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ تکلیف بھی ہے اللہ کی طرف سے، آرام بھی ہے اللہ کی طرف سے، زندگی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے، موت ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے، اللہ تکلیف میں مبتلا کرتا ہے دیکھنے کے لئے کہ بندہ صبر کرتا ہے کہ نہیں، یہ سمجھ کر کہ ہمارے حکم سے یہ ہوا ہے تو اس پر چپ رہتا ہے یا نہیں، اس کو برداشت کرتا ہے کہ نہیں کرتا، اگر برداشت نہیں کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارا شکر گذار بندہ نہیں ہے، تابعدار نہیں ہے، اللہ تعالی بعض وقت تکلیف میں مبتلا کرتا ہے دیکھنے کے لئے کہ بندے کا کیا رویہ ہے؟ وہ تابعدار ہے یا تابعدار نہیں رہتا۔

اللہ بڑا رحیم وکریم ہے

اللہ تعالی رحیم وکریم ہیں، کسی کو بھی بلا وجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا، اگر اس نے اس تکلیف کو اللہ کی رضا کے لئے برداشت کر لیا تو اللہ اس کے ساتھ اتنا رحم کا برتاؤ کرتا ہے کہ اس کو نہال کر دیتا ہے، اس لئے

جولوگ انتقال پر صبر کرتے ہیں اللہ تعالی کی رضا کے لئے تو اللہ تعالی ان کے بچوں کو، ان کے پسماندگان کو نہال کر دیتا ہے اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور ان پر رحم کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے جس کو آدمی نہیں سمجھتا اور سمجھتا ہے کہ ہماری کوشش سے ایسا ہو رہا ہے، کوشش سے نہیں ہوتا ہے، اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے، تو ایسا نہیں ہے کہ کسی کے انتقال کر جانے سے اس کے بچے ضائع ہو جائیں، اللہ تعالی ان بچوں کا نگراں بن جاتا ہے، باپ نہیں ہے تو اب اللہ تعالی ان کا نگراں ہے، خاص طور پر نگراں ہے، یوں تو اللہ تعالی ہم سب کا نگراں ہے لیکن ان بچوں کے ساتھ بھائیوں کے ساتھ اور ان کی بیوی کے ساتھ اللہ تعالی کی رحمت خاص طور سے ہوتی ہے، اور یہ بالکل قطعی بات ہے، یہ کوئی ایسی نہیں ہے کہ محض وعظ ونصیحت سے میں کہہ رہا ہوں، اللہ تعالی اگر کوئی مصیبت میں ڈالتا ہے اور اس پر صبر کیا جاتا ہے تو اللہ اس کا اس دنیا میں بھی بہت کچھ صلہ عطا فرما دیتا ہے اور اتنا عطا فرماتا ہے کہ وہ مصیبت اس کے سامنے دب جاتی ہے اور یہ دنیا اس لئے بنائی ہے کہ کبھی مصیبت ڈال کر دیکھے کہ صبر کرتا ہے یا نہیں کرتا اور کبھی نعمتیں دے کر یہ دیکھے کہ شکر کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

پوری زندگی صبر وشکر کے دو پہیوں پر چلتی ہے

پھر پوری زندگی صبر اور شکر کے دو پہیوں پر چلتی ہے, دو پہیے ہیں ایمانی زندگی کے، ایک صبر کا، اور ایک شکر کا، اگر تکلیف ہو تو آدمی کہے کہ اللہ کو یہی منظور ہے تو ہم بھی اس پر راضی ہیں، رنج ہوگا، رنج سے منع نہیں کیا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنکھوں سے آنسو جاری ہونا رنجیدہ ہونا بالکل جائز ہے، ہاں واویلا نہ کرو، یہ صبر کا مطلب ہے، بلکہ کہیں اللہ تعالی کو یہی منظور ہے، اس لئے ہم اس پر قانع ہیں، کیونکہ اللہ تعالی اس کا صلہ دیتا ہے، وہ ضائع نہیں ہوتا، اس کے بچے ضائع نہیں ہوتے، اس کے اعزہ ضائع نہیں ہوتے، سب پر اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں۔

اللہ مومن کے صبر وشکر کو دیکھنا چاہتا ہے

اللہ خوش ہو جاتا ہے اس بات سے کہ بندے نے صبر کیا تو اب اس کو ہم اس کا صلہ دنیا میں بھی دے دیتے ہیں اور اگر نعمتیں ہوتی ہیں تو اللہ دیکھتا ہے کہ بندے نے شکر کیا کہ نہیں کیا، اگر شکر نہیں کیا تو پھر نعمتوں کا سلسلہ بند ہوتا ہے اور اگر شکر کیا تو نعمتوں کا سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے، فرمایا: ”لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ“ تم شکر کرو گے تو اور بڑھا دیں گے اور اسی طرح صبر کرو گے تو اللہ تعالی اس کا صلہ دے گا، اس لئے کہ زندگی اصل میں آزمائش کے لئے ہے، اس میں موت بھی آئے گی، بیماریاں بھی ہوں گی، تکلیفیں بھی آئیں گی، لیکن وہ تکلیفیں دیر تک قائم نہیں رہیں گی، اگر اس آدمی نے تکلیفوں پر صبر کیا تو پھر اس کو اللہ تعالی کی

نعمتیں حاصل ہوں گی اور جو بچے ہیں، پسماندگان ہیں، وہ ضائع نہیں ہوں گے، اللہ تعالی خاص طور پر ان کا نگراں ہوجائے گا اور ان کو عطا فرمائے گا، اور ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا ہے، اللہ نے نظام یہی بنایا ہے، کوئی کتنا ہی بڑا ہو، ڈاکٹر ہو، حکیم ہو اور خزانے اس کے پاس ہوں، اپنی عمر بڑھا نہیں سکتا، چاہے ساری دنیا کی دولت اس کو مل جائے، اور سارے وسائل مل جائیں، طب اور علاج کی ساری سہولتیں ہوں تو بھی جو عمر ہے اس سے وہ بڑھا نہیں سکتا، جو آیا ہے اس کو جانا ہے، یہ واقعہ جو پیش آیا ہے اور اس پر رنج ہونا فطری بات ہے اور اس کی اجازت ہے، لیکن مومن کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم صبر کریں گے تو اللہ تعالی ہم کو دے گا، یہ مومن کے لئے بہت بڑا سہارا ہے، اس کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالی صبر کرنے پر دیتا ہے تو صبر کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور جس کو یہ معلوم نہیں اور اس کا عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالی صبر کرنے پر دیتا ہے نقصان میں رہے گا، لیکن مومن کے لئے یہ بات نہیں ہے، اس کا نقصان کسی چیز میں نہیں ہے، اگر صحیح راستے پر چلتا ہے، صبر وشکر کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو وہ کامیاب رہے گا ناکام نہیں رہے گا۔

موت کا یہ واقعہ ہر گھر میں پیش آتا ہے، کوئی گھر بچتا نہیں ہے، جس میں یہ واقعہ پیش نہ آتا ہے، تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ سے امید رکھیں، اس کے عوض میں اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور مزید دے گا جو پہلے نہیں ملتا تھا، انشاء اللہ یہ چیز حاصل ہوگی۔

ہم خواتین سے بھی یہ بات کہتے ہیں کہ ایسے واقعات پر سب نے صبر کیا تو انشاء اللہ سب دیکھیں گی کہ اللہ تعالی آپ کو اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور آپ کی تکلیف کو دور فرمائے گا اور اس پر یقین رکھئے اور یہ خیال رکھئے کہ اللہ کو ناراض کرنے والی کوئی بات نہ کریں، تب آپ کو یہ رحمتیں حاصل ہوں گی اور خدانخواستہ ہم سے کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ ہم اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کا انتظار کیسے کرسکتے ہیں؟ اور اس وقت مسلمانوں میں جو پریشانیاں ہیں وہ ان ہی اعمال کی وجہ سے ہیں جن سے اللہ تعالی کی ناخوشی ہوتی ہے، اللہ کی ناراضی ہوتی ہے، ہم خود بھی ان سے بچنے کی کوشش کریں اور اس پیغام کو دوسروں تک بھی پہنچائیں اور ان کو سمجھائیں کہ اللہ کی نافرمانی سے بچو، اگر تم خیر چاہتے ہو، اور اگر تم نافرمانی سے نہیں بچو گے تو پھر خیر تم کو نہیں ملے گا، اور پھر جو دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب کچھ ہوگا، اللہ تعالی ہم کو بھی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کی مشکلات سے، شر وآفت سے ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہم کو خیر امت بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم امام ربّانی

اہداف —اور— عزائم

دورِ حاضر میں ہماری امت کو دو طرح کے افراد کی شدید ضرورت ہے۔

۱۔ اولاً ایسے علماءِ دین کی جو ایک طرف تو تقویٰ وطہارت، اخلاص وللہیت، علم کی گہرائی اور عمل کی پاکیزگی میں اکابر واسلاف کا نمونہ اور ان کے ذوق ومزاج کے امین ووارث ہوں، اور دوسری طرف اپنے زمانے اور گردوپیش کے مزاج کو، اور جدید تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص نوجوانوں کی الجھنوں اور نفسیات کو اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ اور اُن سے ان کی زبان میں بات کرسکتے ہوں۔ نیز اسلام کو اس طور پر پیش کرسکتے ہوں کہ کالجوں اور یونیوسٹیوں سے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی اسلام کے دین فطرت اور مسائل زندگی کے واحد حل ہونے کا یقین حاصل ہوجائے، ساتھ ہی ان (علماء) کے دل ودماغ اور ذوق ومزاج پر بگڑے ہوئے معاشرے کے لئے غصے اور نفرت کے بجائے داعیانہ ہمدردی اور خیرخواہی کے مثبت جذبات کا غلبہ ہو، اور وہ محبت اور دلسوزی کے ساتھ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری ملکی اور انسانی برادری کے سامنے بھی اسلام کا محبت بھرا پیغام اچھے سے اچھے انداز میں، زبانِ قال اور زبانِ حال سے، رکھ سکیں۔

۲۔ ثانیاً ہماری ایک قومی ضرورت یہ بھی ہے کہ قانون، انتظامیہ، سول سروسز، دفاع، صحت، تعلیم، اقتصادیات، صحافت، ادب، سائنس، انجینیرنگ، صنعت وحرفت، تجارت وغیرہ سب شعبوں

میں جانے والے لوگ ''مسلمان'' بن کر وہاں جائیں، اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں وہ اسلام کی نمائندگی کریں۔ وہ ان شعبوں کی فنی مہارت کے ساتھ ایمان داری و دیانت داری اور جذبۂ خدمت کے لحاظ سے بھی اپنی الگ پہچان رکھتے ہوں، ان کا پختہ عقیدہ ہو کہ ان کی یہ پیشہ ورانہ مشغولیت صرف مال کمانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ وہ ان کے لئے خدمت خلق، دعوت دین اور رضائے الٰہی کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔ اور وہ اسی راستہ سے ولایت کے مقام تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

دارالعلوم امام ربانی دراصل ان دونوں قسموں کے افراد کو تیار کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم و تربیت، قیام وطعام، لباس اور رہن سہن کا نظام، ۲۴ گھنٹے کا نظام الاوقات، کھیل کود اور ورزش وغیرہ کا نظام سب کچھ اسی نصب العین کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کا عمل بھی مسلسل جاری ہے۔ ہمارے پیش نظر یہ ہدف بھی ہے کہ دینی علم کا حصول صرف غریب، نادار اور دیہاتی گھرانوں کے بچوں کا فرض نہیں ہے، خوش حال اور روشن دماغ گھرانوں کے بچوں کو بھی قرآن وحدیث کے علم سے اپنے دل و دماغ کو منور کرنا چاہئے..... (عقلمندوں کے لئے اشارہ کافی ہے)

ہم اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ آج جو ہم، اور ہم جیسے بہت سے لوگ، دینی مدارس کے نظام تعلیم میں، تمام احتیاطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، چند قدم آگے بڑھنے کے بارے میں سوچنے کا جو حوصلہ اپنے اندر پا رہے ہیں، یہ دراصل نتیجہ ہے اس زبردست کامیابی کا جو عالمی و ملکی دونوں سطح پر سخت نامساعد حالات کے باوجود ہمارے مروّجہ دینی مدارس و مکاتب کے نظام کے ذریعہ اسلام کی حفاظت کی کوششوں کو ملی ہے اور مل رہی ہے جس کی بدولت ہم صرف دفاع اور تحفظ سے آگے بڑھ کر ''دعوت'' اور ''اقدام'' کے بارے میں بھی کچھ سوچنے اور کرنے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں۔ **والحمدللہ علی ذٰلک۔**

اس عاجز نے آج سے ۲۳ سال پہلے لکھا تھا:

> ''اگر آپ آج سے ۵۰۔۶۰ سال پہلے کے حالات پر نظر ڈالیں، اور اُس وقت جو لوگ اجتماعی شعور کے ساتھ دنیا میں تھے، ان سے گفتگو کریں اور اس زمانے کے اہلِ درد و اخلاص کی گفتگو، تقریروں، تحریروں اور کوششوں کے ریکارڈ کو سامنے رکھیں تو ان سب میں آپ کو ''حفاظت'' اور ''دفاع'' کا رخ ہی نظر آئے گا۔ اُس زمانے میں تمام کوششوں کا نشانہ یہ ہوا کرتا تھا کہ مسلمان مغرب کی یلغار سے اور دہریت و الحاد اور اباحیت و اشتراکیت اور برہمنی قومیت کے طوفان سے بچ جائیں۔ یہ بات کہ مشرق

ومغرب کا فرق کئے بغیر اقوام عالم کو اسلام کی دعوت دی جائے، اور ایک ایک ملک میں اپنے مراکز قائم کئے جائیں، اور کفر وظلمت کے اڈوں میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں اور برطانیہ، فرانس اور امریکہ جیسے ملکوں میں لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے چرچے ہوں، اور ان لوگوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو، جن کے سینے دعوت حق کے لئے کھل جائیں، یہ سب باتیں وہ ہیں جو اس زمانے میں انہونی اور قبل از وقت تھیں۔ مگر اب یہ سب حقیقت واقعہ بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے آنے لگی ہیں، اور مستقبل میں مزید بہتر امکانات ہیں، جنھیں دیکھنے کے لئے کسی غیر معمولی بصیرت کی ضرورت نہیں ہے، صرف حقیقتوں کے ذاتی مشاہدے کی ضرورت ہے۔''

پس یہ منظر جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ دعوت اسلامی اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے جس کی وجہ سے شدید ضرورت بڑی تعداد میں ایسے علماء کی بھی محسوس ہو رہی ہے؛ جو انگریزی اور دوسری علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں پر بھی عبور رکھتے ہوں، اور شریعت اسلامی کے گہرے علم کے ساتھ جدید مسائل سے بھی بخوبی واقف ہوں، یہ سب بلاواسطہ یا بالواسطہ نتیجہ ہے ان عظیم خدمات کا جو ہمارے قدیم مدارس ومکاتب نے اور مختلف دعوتی وتحریکی حلقوں نے انجام دی ہیں، —— دارالعلوم امام ربانی کے تمام خدام اس قدیم نظام مدارس کو، اور اس کے باتوفیق بانیوں اور معماروں کے عزم وفراست کو سلام پیش کرتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ ہمیں ہمیشہ اِن عظیم اسلاف کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

یہ وضاحت بھی ہم نے اس لئے ضروری سمجھی کہ بہت سے حضرات عصری تعلیم کی اہمیت پر اس انداز سے زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں ہمارے مدارس کے ان عظیم بانیوں اور ذمہ داروں کی نظر سے ملت کی ضرورت کے بہت اہم گوشے مخفی رہ گئے —— ہم بڑے ادب واحترام مگر پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم اور اس نظام مدارس کے ایک عظیم معمار شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی ان حضرات میں سے تھے جو صاف ستھرے اور ''اپنے'' ماحول میں عصری تعلیم کی ضرورت کو بھی بہت شدت سے محسوس کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ کالج کی مسجد میں ایک نئے ادارے کے قیام کے موقع پر اپنے خطبۂ افتتاحیہ میں کہا تھا:

''مسلمانوں کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو، اور اغیار کے اثر سے مطلقاً

آزاد، کیا باعتبار عقائد وخیالات اور کیا باعتبار اخلاق واعمال، ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں، ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے غلام پیدا کرتے رہیں، بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے، اور ان عظیم الشان مدارس کے جنھوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا، اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاذ بناتے۔''

قدیم نظام تعلیم وتربیت کے ایک اور شاندار نمونے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''میرے نزدیک اسلامی ممالک میں صحیح زندگی کی بنیاد عوام میں صحیح اور طاقتور دینی شعور کا وجود ہے ...اور دوسری مضبوط بنیاد صحیح نظام تعلیم اور وحی ونبوت کے ذریعہ آئے ہوئے اس علم کو جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور جو ہر دور کا علم اور ہر صالح تہذیب کی بنیاد واساس ہے، اُن طبعی علوم، عصری معلومات، اور ان تجربوں اور ایجادات وانکشافات کے ساتھ جمع کرنا ہے جن میں مغرب فوقیت لے گیا ہے۔''

ہمارا احساس ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ اِن عظیم علماء ومفکرین کے خوابوں کو پورے طور پر شرمندۂ تعبیر کرنے کی بھرپور جدوجہد کی جائے ——— دارالعلوم امام ربانی بھی اسی احساس کا ایک مظہر اور اسی جدوجہد کا ایک چھوٹا سا مرکز ہے ——— اور اس جدوجہد میں کامیابی کے لئے ہمیں اللہ کی نصرت وتائید کے بعد، آپ کے اعتماد، تعاون اور دعاؤں کی بھی سخت ضرورت ہے ——— من انصاری الی اللہ؟

☆☆☆

پُرمسرت اطلاع

ماہنامہ الفرقان کا تازہ شمارہ، اب انٹرنیٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے، ماہنامہ الفرقان کی E-Copy پڑھنے کے لئے کلک کریں: ''www.taubah.org'' پر۔ اس ویب سائٹ پر آپ مدیر ماہنامہ الفرقان کے مختلف بیانات بھی سُن سکتے ہیں۔

مولانا محمد سلمان بجنوری ✷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک یادگار اہم تعلیمی اجلاس

ایک ہفتہ پہلے (۳؍ مارچ ۲۰۱۳ء، مطابق ۲۰؍ ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ بروز اتوار) احقر کو ایک یادگار تاریخی اور اہم تعلیمی اجلاس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، شرکت کے بعد طبیعت میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس اجلاس سے متعلق اپنے حقیر تأثرات حوالۂ قرطاس کئے جائیں، تاکہ اس بامقصد اجلاس کا پیغام ان حضرات تک بھی پہونچ سکے جو اُس میں شریک نہیں تھے، اپنے اس داعیہ کا تذکرہ، اجلاس کے داعی و میزبان اور اپنے مخدوم، عظیم المرتبت عالم دین، گرامی قدر حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی نقشبندی دامت برکاتہم سے آ گیا، تو یہ ان کے حکم کی حیثیت اختیار کر گیا، ذیل کی سطور اسی داعیہ کی تکمیل اور حکم کی تعمیل میں پیش خدمت ہیں۔

اس عظیم الشان اجلاس کو آسان زبان میں، حضرت مولانا مدظلہٗ کے قائم کردہ مدرسہ ''دار العلوم امام ربّانی (ممدا پور، نیرل، مہاراشٹر) کے طلبہ کے تعلیمی مظاہرہ کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ حضرت مولانا کے طویل تجربات، عمیق غور وفکر اور غیر معمولی دل سوزی وفکرمندی کا ایک ظہور تھا جو اس اجلاس کی شکل میں سامنے آیا، اس کی وضاحت کے لئے اِس اجلاس کے دعوت نامہ کا کچھ حصّہ سامنے رہنا مناسب ہوگا، دعوت نامہ میں اجلاس کا پس منظر، ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

✷ استاذ حدیث وادب دار العلوم دیوبند

’’کچھ ناگزیر اسباب اور تاریخی عوامل کی وجہ سے ہمارا تعلیمی نظام بھی دو الگ الگ خانوں میں تقسیم ہو گیا ہے، حالانکہ دین و دنیا کی وحدت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ربّ العالمین کے کام (کتابِ کائنات) اور ربّ العالمین کے کلام (کتابِ ہدایت) دونوں کا علم یکجا ہوتا ہے تو معرفتِ رب اور خدمتِ خلق کی بہتر صلاحیت انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔

اس بات پر مضبوط ایمان کے تحت، تعلیمی نظام میں پھر سے وحدت لانے، اور اس کی موجودہ ثنویت (Duality) کو ختم کرنے کے نصب العین کو سامنے رکھ کر ایک ایسے تعلیمی نظام کے قیام کی کوشش کا عملاً آغاز، بنامِ خدا کر دیا گیا ہے، جس سے بیک وقت:

(۱) ایسے علمائے دین تیار ہوں جو کتابِ ہدایت (قرآن وسنّت) کے گہرے علم کے ساتھ کتابِ کائنات (Book of universe) کا بھی تحقیقی علم رکھتے ہوں۔

(۲) اور ایسے پروفیشنل تیار ہوں جو دین رحمت کی تعلیمات سے براہِ راست واقفیت اور صاف ستھرے ماحول میں پروان چڑھنے کی بدولت، فنی مہارت کے ساتھ انسانی برادری کی بے لوث خدمت کے جذبے سے بہرہ ور ہوں۔‘‘

اسی کے ساتھ دار العلوم امام ربّانی کے تعارف نامہ کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

’’دورِ حاضر میں ہماری امت کو دو طرح کے افراد کی شدید ضرورت ہے:

۱۔ اوّلاً ایسے علمائے دین کی؛ جو ایک طرف تو تقویٰ وطہارت، اخلاص وللّٰہیت، علم کی گہرائی اور عمل کی پاکیزگی میں اکابر و اسلاف کا نمونہ اور اُن کے ذوق ومزاج کے امین ووارث ہوں، اور دوسری طرف اپنے زمانے اور گرد و پیش کے مزاج کو اور جدید تعلیم یافتہ طبقے؛ بالخصوص نوجوانوں کی الجھنوں اور نفسیات کو اچھی طرح سمجھتے ہوں، اور اُن سے اُن کی زبان میں بات کر سکتے ہوں، نیز اسلام کو اس طور پر پیش کر سکتے ہوں، کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی اسلام کے دینِ فطرت اور مسائلِ زندگی کے واحد

حل ہونے کا یقین حاصل ہوجائے، ساتھ ہی اُن (علماء) کے دِل ودماغ اور ذوق ومزاج پر بگڑے ہوئے معاشرہ کے لئے غصّے اور نفرت کے بجائے، داعیانہ ہمدردی اور خیرخواہی کے مثبت جذبات کا غلبہ ہو، اور وہ محبت اور دل سوزی کے ساتھ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری ملکی وانسانی برادری کے سامنے بھی اسلام کا محبت بھرا پیغام اچھے سے اچھے انداز میں، زبان قال اور زبانِ حال سے، رکھ سکیں۔

(۲) ثانیاً ہماری ایک قومی ضرورت یہ بھی ہے کہ قانون، انتظامیہ، سول سروسز، دفاع، صحت، تعلیم، اقتصادیات، صحافت، ادب، سائنس، انجینئرنگ، صنعت وحرفت، تجارت،.... اِن شعبوں میں جانے والے لوگ ''مسلمان'' بن کر وہاں جائیں، اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں وہ اسلام کی نمائندگی کریں۔ وہ اِن شعبوں کی فنی مہارت کے ساتھ ایمان داری ودیانت داری اور جذبۂ خدمت کے لحاظ سے اپنی الگ پہچان رکھتے ہوں، اُن کا پختہ عقیدہ ہو کہ اُن کی یہ پیشہ ورانہ مشغولیت صرف مال کمانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ وہ اُن کے لئے خدمتِ خلق، دعوتِ دین اور رضائے الٰہی کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔ اور وہ اُسی راستے سے ولایت کے مقام تک بھی پہونچ سکتے ہیں۔

''دارالعلوم امام ربّانی'' دراصل اِن دونوں قسموں کے افراد کو تیار کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اِس کا نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم وتربیت، قیام وطعام، لباس اور رہن سہن کا نظام، ۲۴ گھنٹے کا نظام الاوقات، کھیل کود اور ورزش وغیرہ کا نظام سب کچھ اِسی نصب العین کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کا عمل بھی مسلسل جاری ہے۔ ہمارے پیش نظر یہ ہدف بھی ہے کہ دینی علم کا حصول صرف غریب، نادار اور دیہاتی گھرانوں کے بچوں کا فرض نہیں ہے، خوش حال اور روشن دماغوں کے گھرانوں کے بچوں کو بھی قرآن وحدیث کے علم سے اپنے دل ودماغ کو منور کرنا چاہئے۔۔۔۔ (عقلمندوں کے لئے اشارہ کافی ہے!!)''

یہ دونوں اِقتباسات اِس سلسلے میں حضرت مولانا کی فکر کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہاں

اُس کا موقع نہیں ہے، کہ نظامِ تعلیم کے بارے میں اِس نظریہ کا تفصیلی جائزہ لیا جائے، یا اسکے مختلف پہلوؤں پر بحث کی جائے؛ جس سے اس کی افادیت اور اس راہ کی نزاکتیں دونوں سامنے آسکیں، لیکن اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ خود اِس کام کی مشکلات اور نزاکتوں کا بھرپور اِدراک رکھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں تعارف نامہ کا یہ اقتباس:

''یہ منظر جو ہم دیکھ رہے ہیں؛ دعوت اسلامی اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے، جس کی وجہ سے شدید ضرورت بڑی تعداد میں ایسے علماء کی بھی محسوس ہو رہی ہے جو انگریزی اور دوسری علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں بھی عبور رکھتے ہوں اور شریعتِ اسلامی کے گہرے علم کے ساتھ جدید مسائل سے بھی بخوبی واقف ہوں، یہ بلا واسطہ یا بالواسطہ نتیجہ ہے اُن عظیم خدمات کا جو ہمارے قدیم مدارس ومکاتب اور مختلف دعوتی وتحریکی حلقوں نے انجام دی ہے۔۔ یہ وضاحت ہم نے اس لئے ضرورت سمجھی کہ بہت سے حضرات عصری تعلیم کی اہمیت پر اس انداز سے زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، جس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں ہمارے مدارس کے ان عظیم بانیوں اور ذمہ داروں کی نظر سے ملت کی ضرورت کے بہت اہم گوشے مخفی رہ گئے —— ہم بڑے ادب واحترام مگر پورے یقین واعتماد سے کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔''

اسی کے ساتھ اجلاس کے آخر میں ہونے والے مولانا مدظلہ کے خطاب کا یہ حصّہ اُس فکرمندی کو زیادہ واضح کرتا ہے:

''میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ راستہ جس حد تک ضروری اور مفید ہے اسی حد تک پُرخطر اور نازک بھی، بہت جلدی ماحول کے اثر سے جدیدیت کا اثر غالب آجاتا ہے اور دل کی نیتوں کا قبلہ آخرت کے بجائے، رضائے الٰہی کے بجائے مال وجاہ کی طرف چلا جاتا ہے۔''

جہاں تک اجلاس کے حسن انتظام کی بات ہے تو اس پہلو سے بھی یہ ایک مثالی اجلاس تھا، ایک عظیم الشان پنڈال اور وسیع وعریض اسٹیج، ہر شخص اپنی نشست پر سلیقے اور سکون کے ساتھ موجود اور اجلاس کے نظم و

ضبط کا محافظ و معاون ، ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے کوئی سکون وطمانیت کی چادر پورے مجمع پر تان دی گئی ہو، اجلاس کی صدارت صوبہ گجرات کے مشہور ترین شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کے قدیم و بزرگ فرزند حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب دامت برکاتہم سابق رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر، مقیم کناڈا نے فرمائی، جب کہ نظامت کے فرائض دارالعلوم دیوبند کے تازہ فاضل اور **معهد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیة**، (ممدا پور نیرل) کے طالب علم مولوی محمد اکرم کرنولی سلمہ اللہ نے بڑے سلیقہ سے انجام دئے۔

اجلاس میں حقیر راقم السطور کے علاوہ محترم جناب مولانا عبدالقوی صاحب مدظلۂ حیدرابادی، محترم جناب مولانا محمد الیاس صاحب ندوی بھٹکلی، محترم جناب مولانا سیف الدین صاحب گجرات، محترم جناب مولانا مفتی رفیق صاحب شری وردھن، محترم جناب ڈاکٹر جاوید مکرم صدیقی صاحب اورنگ آباد، محترم جناب محمد عبدالجلیل صدر صاحب آئیڈیا مہاراشٹرا وغیرہ بہت سے علماء، دانشوران اور ماہرین تعلیم نے اظہار خیال کیا، اور ہمارے ممدوح ومحبوب بزرگ دوست حضرت مولانا صلاح الدین سیفی نقشبندی صاحب مدظلہ کی پرسوز دعاء پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

اس حقیر نے جو کچھ عرض کیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

> ''سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضرورت جس چیز پر محنت کرنے کی ہے وہ نیت ہے، وحدت تعلیم سے پہلے وحدت نیت کی ضرورت ہے یعنی صرف رضائے الٰہی مقصود ہو، اسلئے کہ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ صحیح نیت کے ساتھ دنیوی اعمال بھی آخرت اور دین کے کام بن جاتے ہیں اور غلط نیت کے ساتھ ہجرت اور جہاد جیسے اعمال بھی دنیا قرار پاتے ہیں، آج ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو اپنی صلاحیت سے پچاس ہزار روپئے فی گھنٹہ کمانے کی صلاحیت رکھتے ہوئے، صرف اللہ کے لئے پانچ ہزار ماہانہ پر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

احقر نے حضرت مولانا مدظلۂ کی شخصیت کی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح طور پر

عرض کیا کہ:

''یہاں ''خانقاہ'' پہلے ہے اور ''مدرسہ'' بعد میں ہے، گویا تربیت کی فکر پہلے کی گئی ہے، اس ترتیب کے ساتھ کام کہیں بھی کیا جائے اور کسی بھی انداز سے کیا جائے اسکی تائید کی جائے گی کیونکہ اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہوگی۔''

اجلاس کے صدر حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہٗ العالی نے بھی اپنے مؤثر خِطاب کے ذریعہ مولانا کے پروگرام کی تائید کی۔

اجلاس کا سب سے مؤثر حصہ حضرت مولانا سجّاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم کا خِطاب تھا، حضرت مولانا نے اپنے مخصوص پُراعتماد انداز میں اپنے طریقۂ کار کی وضاحت فرمائی اور وحدت کے باقی نہ رہنے کی ذمہ داری یورپ پر ڈالتے ہوئے مغربی فکر پر تنقید کی اور اُس کی خامیوں کو اجاگر کیا۔ اُس کے بعد بالاکوٹ سے شاملی کے میدان تک علَم جہاد بلند کرنے اور اس میں ناکامی کے بعد تحفظ دین کی عظیم الشان تحریک (قیام مدارس) برپا کرنے والے اکابرین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے حضرت مولانا نے سورہ کہف کی روشنی میں اُمت کے لئے نقوش راہ کو واضح کیا۔

وحدتِ تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

''علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے مایۂ ناز مقالے ''رسولِ وحدت'' میں لکھا ہے کہ توحید کا مفہوم صرف توحید رب اور توحید الٰہ نہیں ہے، یہ توحید کا پہلا باب ہے جس کا مطلب ہے ''توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اُلوہیت'' اس کے بعد توحید کا دوسرا دائرہ ہے ''وحدتِ بنی آدم'' ساری دنیا کے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اور تیسرا دائرہ ہے توحید کا ''وحدتِ دین'' ساری دنیا کی تمام قوموں کے لئے اتارا گیا اللہ کا ازلی دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے: ''ذٰلک الدین القیم'' اور توحید کا چوتھا مفہوم اور دائرہ یہ ہے کہ دین اور دنیا یہ دراصل ایک ہے۔ آپ اپنی دوکان چلائیں، ایک کسان ہل چلائے، اور وہ اللہ کے رضا کی نیت کرے تو یہ خالص عبادت ہے، دین اور دنیا یہ اسلام میں الگ نہیں ہیں۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ایک ہی ادارے کے اندر ایک ہی مقصد کو سامنے رکھ کر کتابِ

ہدایت یعنی قرآن مجید کا بھی علم حاصل کیا جائے اور کتاب کائنات کا بھی علم حاصل کیا جائے، اللہ نے دو کتابیں لکھی ہیں، اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے اپنی صفت ''خلق سے'' وہ کتاب؛ کتابِ کائنات ہے اور ایک کتاب لکھی ہے اللہ نے اپنی صفت امر سے، وہ کتاب کتابِ ہدایت یعنی قرآن مجید ہے، **اَلا لَهُ الخلْقُ وَالأَمْرُ** دونوں کا علم دراصل ایک دوسرے کو مکمل کرتا ہے، دونوں کا سرچشمہ ایک ہے، اور ان دونوں کا مقصد بھی جس دن ایک ہوجائے گا زمین چمک جائے گی اور دنیا ایک بہتر جائے رہائش بن جائے گی، شب و روز انشاء اللہ بدل جائیں گے۔''

تعلیم کے باب میں مولانا کی فکر کو اُن کی تقریر کا یہ اقتباس مزید واضح کرتا ہے:

''میری تمنا ہے کہ یہاں وہ سائنس کی لیب ہو جو ہندوستان کے کسی اعلی معیاری کالج میں ہوتی ہو، ایسی سائنس کی اڈوانس لیب ہو کہ ہمارے بچے قرآن مجید کی تفسیر کا درس جب لیں تو ان کے پاس Slides ہوں اور سلائٹس کی مدد سے وہ قرآن مجید کے ان علوم کو پڑھیں، آج کی بات نہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اصول تفسیر کی اپنی معرکۃ الآراء کتاب الفوز الکبیر میں کھل کر لکھا ہے، صاف لکھا ہے کہ علم طبیعہ یعنی سائنس کے علوم یہ دراصل علوم قرآن ہیں، قرآن کے علوم میں سے ایک التذکیر بآلاء اللہ ہے یعنی ان علوم کو بیان کرنا، قرآن مجید میں جہاں اللہ نے اپنی نعمتیں اور اپنی نشانیاں بیان کی ہیں تو ان نشانیوں اور ان نعمتوں پر غور کرنا، مشاہدہ اور تفکر اور ان کے اسرار و رموز کو سمجھنا اور ان کے ذریعہ سے معرفت رب حاصل کرنا یہی تو مقصد ہے۔ بار بار سورۂ رحمان میں دہرایا گیا: ''فبأی آلآء ربکما تکذبان، فبای آلآء ربکما تکذبان'' پس اللہ کی نعمتوں کو اللہ سے کاٹ کر بیان کرنا؛ یہ یورپ کا کام ہے، اللہ کی نعمتوں کو اللہ سے جوڑ کر اور بندوں کو اللہ تعالی سے جوڑنے کے لئے ان نعمتوں کا مشاہدہ کروانا، ان نعمتوں پر غور کروانا یہی تو سائنس ہے، جس طرح خانقاہ میں ذکر کے ذریعہ ہمارا ایمان بڑھ سکتا اسی طرح سائنس کی لیب میں سائنسی تجربات کے ذریعہ سے ہمارا ایمان بڑھ سکتا ہے ''الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم'' کے ساتھ فرمایا گیا: ''ویتفکرون فی

خلق السمٰوات والارض'' اورانھیں کوقرآن ''اولوالالباب'' مانتاہے ،یہی انٹیلیکچول لوگ ہیں ،یہی سمجھدارلوگ ہیں۔ دین ودنیا کا یہ جوتفرقہ ہے اس کی ذمہ داری مدارس پرنہیں ہے،اس کی ذمہ داری علماء پرنہیں ہے،کبھی وقت ہوگا تو میں انشاءاللہ تفصیل سے دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ اس کی ذمہ داری تنہایورپ پر ہے،تنہامغرب پر ہے۔

حضرت مولانا کی تقریر کا سب سے مؤثر اور طاقت ور اور ہم جیسے طلبہ کے لئے موجب اطمینان حصّہ وہ تھا، جب انہوں نے ''از دِل خیزد بر دِل ریزد'' کے عین مطابق پوری قوت کے ساتھ فرمایا:

''اللہ تعالی آپ حضرات کو بہت جزائے خیر دے کہ آپ حضرات نے دور دراز کی مشقتیں برداشت کیں،میرا جی چاہتا تھا کہ میں نام لے کر سب کا شکریہ ادا کروں لیکن وقت تیزی سے گذر رہا ہے، وقت کو بچانا ضروری ہے،البتہ میں ایک بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں، میں بہت کمزور معمولی سا ایک طالب علم ہوں،صحت بھی گرتی جارہی ہے اور پتہ نہیں کس دن زندگی کی شام ہوجائے، میں یہ چاہتا ہوں کہ جب ایک مرتبہ اس کام کا آغاز ہوگیا ہے تو اب یہ نہ رکے، یہ آگے چلتا چلا جائے ،اس کے لئے میں آپ سب کی مدد کا محتاج ہوں، میں آپ سب کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ سب دل کھول کر اس کی مدد کریں، میں نے بار بار اپنے ساتھیوں سے کہا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس دن کہ میں اس مدرسے کے عزیز نوجوان اساتذہ اوران کے بچوں سے بھی باتیں نہ کرتا ہوں، میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ راستہ جس حد تک ضروری اور مفید ہے اسی حد تک پُرخطر اور نازک بھی ،بہت جلدی ماحول کے اثر سے جدیدیت کا اثر غالب آجاتا ہے اور دل کی نیتوں کا قبلہ آخرت کے بجائے، رضائے الٰہی کے بجائے مال وجاہ کی طرف چلا جاتا ہے، اس لئے سب سے پہلے میں اکابرین علماء، اہل علم وذکر سے یہ مدد مانگنا چاہتا ہوں، اور دست بستہ گذارش کرتا ہوں کہ میری ذات کی بھی اوراس ادارہ کی بھی نگرانی فرمائیں، ہم آپ کی نگرانی کے محتاج ہیں، اور میں یہ بات رسماً نہیں کہہ رہا ہوں، میں نے یہ بات فرداً فرداً اِن اکابرین سے کہی بھی ہے، اور میں باقاعدہ اس کے لئے سفر کرکے آپ حضرات

کے پاس آؤں گا اور اس کی ایک شکل بناؤں گا کہ میں رہوں یا نہ رہوں، لیکن آپ اس کی ایسی نگرانی کریں کہ یہاں خالصۃً یہ مدرسہ رہے، میں ڈنکے کی چوٹ پر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اس نے دارالعلوم دیوبند کے مسلک اور مشرب، ذوق ومزاج اور منہاج سے انحراف کیا تو میری دعا ہوگی کہ اسی دن یہ ادارہ بند ہوجائے، میں سچ کہتا ہوں میں دنیا بھر کی سیر کر چکا ہوں، مشرق ومغرب کے میخانے دیکھ چکا ہوں، یہ سب کھوکھلی چیزیں ہیں، ہمارے آئیڈیل امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ہیں، امام ولی اللہ الدہلوی ہیں، حضرت نانوتویؒ ہیں، حضرت گنگوہیؒ ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، حضرت مولانا محمد علی مونگیری ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ ہیں، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ حضرات آزاد قوم کے آزاد رہنما تھے، یہ غلام قوم کے غلام افراد نہیں تھے، ایک طرف تو مجھے اپنے اکابرین کی اس مدد کی ضرورت ہے، دعاؤں کی ضرورت ہے، توجہات کی ضرورت ہے کہ اس کا قبلہ ہمیشہ درست رہے، اور یہ خالصۃً شریعت وسنت کے رنگ میں چلے اور یہ ان قدروں کو زندہ کرے جو قدریں ہمارے اندر سے بھی نکلتی جارہی ہیں، ہمارا دین زیادہ تر ظاہری ہوتا جارہا ہے، اللہ کرے کہ ظاہر سے زیادہ ہماری توجہ ہمارے اپنے باطن کی اصلاح کی طرف ہو۔''

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کی تقریر کے اس طاقتور اقتباس پر ہی اس تأثراتی تحریر کو مکمل کردیا جائے، کہ یہ اقتباس اِس عظیم شخصیت کے افکار کا بہترین خلاصہ ہے۔ اللہ ربُ العزت ہم سب کو اپنے اکابر واسلاف کے نشانات قدم پر استقامت کے ساتھ دینِ مبین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔۔۔!! آمین

☆☆☆

مولانا سلامت اللہ ندوی

دل بدل جاتے ہیں
تعلیم کے بدل جانے سے

[خانقاہ نعمانیہ، مدراپور، نیرل کی آغوش میں نہایت خاموشی کے ساتھ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا نہایت قابل قدر کام انجام پارہا ہے —— ۳؍مارچ ۲۰۱۳ء کو وہاں ایک تعلیمی اجلاس بعنوان ''اے کاروانِ علم ودانش لوٹ وحدت کی طرف'' منعقد ہوا تھا، محترم مولانا سلامت اللہ ندوی بھی اس اجلاس کے ہزاروں شرکاء میں تھے، انہوں نے قارئین الفرقان کے لئے اس اجلاس کا آنکھوں دیکھا حال اور تأثرات قلمبند کئے ہیں، ملاحظہ فرمایئے —— ادارہ]

۳؍مارچ ۲۰۱۳ کو ایک انتہائی دلچسپ ورنگارنگ تعلیمی کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔ دلچسپ اس لئے کہ کانفرنس میں کی جانے والی سنجیدہ تقاریر سے پہلے، نومولود دارالعلوم امام ربانی، جس کی عمر ابھی صرف ۶ ماہ کی ہے، اس دارالعلوم کے طلبہ نے جو مختلف پروگرام عربی، اردو اور انگریزی میں پیش کئے وہ اپنی سنجیدگی، وقار وعلمیت کے ساتھ ساتھ دلچسپی سے بھرپور تھے، اور رنگارنگ بایں معنی کہ خانقاہ نعمانیہ کی مسجد کے لئے مجوزہ میدان میں انتہائی خوبصورت، سفید وسرخ، دھلا دھلایا اجلا شامیانہ تنا تھا، انتہائی سلیقہ وقرینہ سے کرسیاں لگی تھیں، PERFECTION اور اعلیٰ معیار کے سلسلہ میں کہیں کوئی مصالحت نہیں کی گئی تھی، ہر شئ سے سلیقہ اور ڈسپلن عیاں تھا، اور ان سب کے ساتھ ساتھ جو چیز اس کانفرنس کو دیگر کانفرنسوں سے ممتاز

کرتی تھی وہ اس کی روحانیت تھی ،خانقاہ نعمانیہ سے متصل یہ وہی میدان ہے جس میں تقریباً دوسال پہلے برکۃ العصر حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم کی آمد پر سہ روزہ روحانی مجالس منعقد ہوئی تھیں، اللہ کے سچے بندوں کی برکتوں سے جیسے افراد متاثر ومستفید ہوتے ہیں (یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ اتَّقُوا اللّهَ وَکُونُواْ مَعَ الصَّادِقِینَ) ویسے ہی اماکن ومقامات میں بھی یہ برکتیں اپنا اثر دکھاتی ہیں (وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِیمَ مُصَلًّی) ۔ملفوظاتِ علامہ انور شاہ کشمیری میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جگہ بیت اللحم ہے، یہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے ،لہٰذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی ۔علامہ کشمیریؒ نے اس حدیث کی گیارہ کتب حدیث سے تخریج کی تھی ،جن میں سے ایک صحیح نسائی بھی ہے جو صحاح ستہ میں اعلیٰ درجہ کی کتاب مانی جاتی ہے۔

اس تعلیمی کانفرنس کے خوبصورت شامیانہ میں بیٹھے، یادوں کے جھروکوں سے دل وجان میں ٹھنڈک گھول دینے والی وہ آواز میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی، میری مشام جاں کو اُس محبوب وخوبصورت چہرے والے کے تصور کی خوشبو معطر کر رہی تھی ،اس ریحانۃ العصر و بابرکت ہستی کے اس وادی پرنور سے ہو کر گذرنے کی نورانیت کو میں اپنی اس کور چشمی کے باوجود دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا، یہ خانقاہ اور اس خانقاہ میں چل رہے تمام ادارے حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کی توجہات ودعاؤں کا اثر ہیں۔

خانقاہ نعمانیہ میں خانقاہ کے روحانی وتربیتی نظام کے ساتھ ساتھ دو تعلیمی وتربیتی ادارے چل رہے ہیں، پہلا ادارہ مدارس اسلامیہ کے فارغین طلبہ کے لئے دوسالہ نظام تعلیم وتربیت ،معہد الامام الدھلوی کے نام سے اور دوسرا ادارہ تعلیم کی ثنویت کو ختم کرنے کے لئے دار العلوم امام ربانی کے نام سے اسی سال رمضان بعد شروع کیا گیا ہے، ان اداروں کے اغراض ومقاصد سے سامعین کو متعارف کرانے کے لئے معہد کے طلبہ نے ایک مکالمہ پیش کیا، یہ مکالمہ ایک ملاقات گاہ کے پس منظر میں ہے ،معہد، خانقاہ اور دار العلوم امام ربانی کے ذمہ دار حضرات ممبئی شہر کے ایک ڈاکٹر صاحب اور وکیل صاحب کے ساتھ بیٹھے ہیں ،ڈاکٹر صاحب کو یہاں پر چل رہے اداروں کے سلسلہ میں کچھ اشکالات واعتراضات ہیں، اثنائے گفتگو ہر شعبہ کا ذمہ دار اپنے اپنے شعبہ کا تعارف اور اس کی کارکردگی پیش کرتا ہے اور ڈاکٹر صاحب کے اشکالات کا جواب بھی دیتا ہے۔ اس مکالمہ میں کہیں اداکاری کا تصنع نہیں، تمام گفتگو انتہائی فکری اور خود اعتمادی کے ساتھ ہو رہی ہے، طلبہ مکمل

تیاری کے ساتھ آئے ہیں، کانفرنس میں شریک ہر فرد اس گفتگو میں اپنے کو شریک محسوس کر رہا تھا۔ ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ اسٹیج پر کوئی ڈرامہ رچا جا رہا ہے، بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے ہر کوئی خانقاہ، معہد اور دارالعلوم کے ذمہ داروں کے ساتھ کسی ڈرائنگ روم میں بیٹھا محو گفتگو ہے۔ ممبئی سے آئے ہوئے ''ڈاکٹر صاحب'' کے کردار کی زبانی ایک سوال یہ کیا گیا تھا کہ وہ طلبہ جو سات آٹھ سال مدارس میں قرآن وحدیث پڑھ چکے ہیں انہیں یہاں دوسال رکھ کر دوبارہ قرآن وحدیث پڑھانا کیا تحصیل حاصل نہیں ہے؟ اس اعتراض کا جواب معہد کے ذمہ دار مولانا صادق صاحب کی زبانی جو دیا گیا وہ یہ تھا: ''اب رہی یہ بات کہ ہم اِنھیں یہاں دوبارہ، یہ تفسیر اور حدیث وغیرہ کیوں پڑھا رہے ہیں؟ .....تو بالکل..... یقیناً اِنھوں نے مدارس میں یہ علوم پڑھے ہیں، مگر شاید آپ کو یہ بات معلوم نہ ہو..... میں آپ کو بتاتا ہوں۔ شرعی علوم کی اپنی ایک مخصوص Terminology ہوتی ہے، افہام وتفہیم کا ایک خاص انداز اور لب ولہجہ ہوتا ہے، اُسی Terminology میں یہ علوم پڑھائے جاتے ہیں، اور اُسی مخصوص انداز اور لب ولہجے میں اُنھیں پڑھا اور سمجھا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں مغربی مزاج وتہذیب اور انگریزی زبان کی عالمگیریت کے نتیجے میں، اور مغربی علوم وفنون کی طرف توجہ اور اسلامی علوم سے بہت زیادہ بے توجہی، دوری اور بیگانگی کی وجہ سے مسلمان، شرعی علوم کی اُس مخصوص Terminology اور اُن کی افہام وتفہیم کے اُس خاص انداز اور لب ولہجے سے تقریباً نامانوس ہو چکے ہیں۔ ایسے میں اِس بات کی ضرورت ہے کہ مدارس کے جو طلبہ شرعی علوم کو حاصل کر چکیں، اب ایک قدم آگے بڑھا کر اُن میں یہ استعداد وصلاحیت بھی پیدا کی جائے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے، اُن کی سطح کے مطابق پیش کریں، اور جو انداز، جو لب ولہجہ اور جن اصطلاحات میں وہ بات کو سمجھتے ہیں، اُن اصطلاحات میں وہ اُن کو سمجھائیں۔ اِسی کو کہا جاتا ہے ''شرابِ کہنہ در جامِ نو''

اسی طرح تعلیم کی ثنویت کو ختم کرنے کے لئے دارالعلوم امام ربانی کے نام سے جو ادارہ چل رہا ہے اس کا تعارف ادارہ کے ذمہ دار مولانا اسرار الحق صاحب کی زبانی پیش کیا گیا: ''ڈاکٹر فیاض صاحب! اِس ادارے کا بنیادی تصور Educational Unity ہے۔ یعنی دینی علم اور دنیوی علم کے درمیان جو فاصلے پیدا ہو گئے ہیں، اُنھیں کم کر کے اُن کے درمیان وحدت پیدا کرنا۔ اور یہ کوئی نیا Concept نہیں ہے! زبان بدلنے کی وجہ سے علوم نہیں بدل جاتے! اسلام کے دورِ عروج میں، نظامِ تعلیم میں یہ جامعیت بھی تھی اور

تقسیم کار کے اصول پر اختصاص کا نظام بھی تھا، وہاں روایت کے ساتھ امت کی ضرورت کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ آپ چاہیں تو ''اسلامی اندلس'' کی سنہری تاریخ اُٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ پھر جب حالات بدلے، اور انگریز انیسویں صدی میں خاص طور پر برصغیر میں اقتدار پر قابض ہو گئے، تو اُنھوں نے اسلام کو یہاں سے مٹا دینے کے لیے مختلف حربے اپنائے، جن میں سے ایک اُن کا نظامِ تعلیم بھی تھا۔ جس کا مقصد خود اُن کے اپنے اعلان کے مطابق یہ تھا کہ: اِس تعلیم کے ذریعے تیار ہونے والے افراد رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں گے، مگر دل و دماغ اور طرزِ فکر کے لحاظ سے انگلستانی ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ شدید خطرہ پیدا ہو گیا کہ اسلامی تہذیب اور دینی علوم کا سرمایہ، اقتدار پر قابض انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستان سے رخصت نہ ہو جائے! اُس وقت ملت کے دردمند، صاحبِ نظر اکابر کے سامنے دو ہی راستے تھے:

یا تو دنیوی فوائد کے حصول اور قوموں کی Race میں برابر کا شریک بننے کے لیے، Modern Education اور اُس کے لادینی نظام کو، اِس بات کی کوئی پرواہ کیے بغیر کہ پھر مسلمان بچوں کا اپنے دین و مذہب اور اسلامی تہذیب وثقافت سے رشتہ باقی رہے گا یا نہیں، جوں کا توں قبول کر لیں!

یا پھر کچھ عرصے تک مادی میدانوں اور قوموں کی Race میں پیچھے رہ جانے کو گوارہ کرتے ہوئے، مسلمان بچوں کی دینی وایمانی زندگی کی بقاء کو ترجیح دیں!

اب جو قوم حالتِ جنگ میں ہوتی ہے، وہ اپنی سب سے قیمتی چیز کو بچانے کی فکر کرتی ہے، اور اُسے ''تعمیر'' سے زیادہ ''تخریب'' سے بچنے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ اور یہ ایک فطری بات ہے۔ اس لیے اُنھوں نے دوسرا راستہ چنا۔ اب اقتدار تو ہاتھ سے نکل ہی چکا تھا! وسائل کی کوئی فراہمی نہیں تھی! لیکن ساری بے سروسامانی کے باوجود، اللہ کے بھروسے پر ایک انار کے درخت کے نیچے اُنھوں نے مدرسوں کی بنیاد ڈالدی، اور یکسو ہو کر مدرسوں کی کچی چہار دیواریوں میں صرف دینی سرمایے کی حفاظت اور چند گنے چنے مسلمان بچوں تک اُسے منتقل کرنے کی محنت میں لگ گئے، اور یوں آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے دینی سرمایے کو محفوظ کر دیا۔

اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ عمومی رجحان کے خلاف، اُس وقت مدارس کے نظامِ تعلیم کے بارے میں اُن کا سوچا ہوا نقشہ اور اُن کا وہ فیصلہ سو فی صد درست تھا، ورنہ اب تک اسلام یہاں سے شاید رخصت ہو چکا ہوتا، اور بقول علامہ اقبالؔ: ہندوستان میں بھی ''اسپین'' کی ''جامع قرطبہ'' کی طرح صرف ''تاج محل''، ''لال

قلعہ'' اور'' جامع مسجد'' کی یادگاروں کے سوا، مسلمانوں کے پاس اسلام اور ایمان کے نام سے کچھ نہ ہوتا!!

لیکن اب الحمدللہ اِس قسم کا خطرہ ٹل چکا ہے، اب اِس امانت کو ساری انسانیت تک اُن کی فہم کی سطح کے مطابق پہونچانے کے لیے، آج کے دور میں اسلام کی ترجمانی کس سلیقے سے کرنے کی ضرورت ہے؟ اور قرآن وحدیث کو کس اسلوب میں سمجھانے کی ضرورت ہے؟ اِس کے لیے کیا محنت ہورہی ہے؟ ''معہد'' کے تعارف میں یہ بات آپ وضاحت کے ساتھ سن چکے۔ یہ تو مدارس سے فارغ شدہ علماء کے لیے تھا۔ اب ایک ایسا ادارہ بھی ہونا چاہیے جہاں شروع ہی سے ایسے علماء تیار کیے جاسکیں جو شریعت کی گہری فہم رکھنے کے ساتھ ساتھ، اِن جدید کہلائے جانے والے علوم سے بھی بالکل نا آشنا نہ رہیں۔ اور ایسا صرف دین اور دعوت اسلامی کی بہتر خدمت کی استعداد پیدا کرنے کے لئے کیا جائے۔

نبوی ایجوکیشن سسٹم میں صرف خواندگی یعنی پڑھا لکھا ہونا تعلیم یافتہ EDUCATED ہونے کا معیار نہیں ہے بلکہ یہ نصاب تعلیم معرفت خداوندی سے شروع ہوکر تربیت وتزکیہ سے گذر کر تعلیم کتاب و حکمت تک پہنچتا ہے۔ مغرب میں مسیحیت کے جابرانہ تسلط سے جان چھڑانے کے لئے'' جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو'' کی ثنویت کے نظریہ پر اپنے تمام نظامہائے حیات کی بنیاد رکھتی تھی، اس کے سیاسی، تعلیمی، دینی وعدالتی تمام نظاموں میں یہی ثنویت کا مزاج جاری ہے، یہ مغرب کی مجبوری تھی اس لئے کہ مسیحیت مغرب کی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا تھی۔ ۱۸ ویں صدی عیسوی میں مغربی اقوام کے تسلط سے ساری دنیا میں اسی دین ودنیا کی تفریق کا یہ نظریہ اور ثنویت کا یہ مزاج زندگی کے تمام شعبوں میں سرایت کر گیا، یہی ثنویت پر مبنی نظام تعلیم ساری دنیا پر مسلط کیا گیا، حضرت مولانا سجاد صاحب نعمانی نے اسی کانفرنس کی اختتامی تقریر میں فرمایا تھا کہ نظام تعلیم کی اس ثنویت کا ذمہ دار مغرب ہے، نہ کہ برصغیر کے یہ مدارس اسلامیہ، اور نہ ہی مسلمان۔

مسلمانوں کے اقتدار سے محروم ہوجانے کے بعد گذشتہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے اس ثنویت پر مبنی نظام تعلیم سے جان چھڑانے کی فکریں اور کوششیں ہورہی ہیں، ان ہی کوششوں کا تسلسل یہ دارالعلوم امام ربانی ہے، اسی لئے اس تعلیمی کانفرنس کا سلوگن'' کاروان علم ودانش لوٹ وحدت کی طرف'' رکھا گیا تھا، یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے بلکہ اپنی اصل کی طرف واپسی ہے۔

اس ۶ ماہ کے نومولود امام ربانی کے طلبہ نے جو عربی، اردو اور انگریزی میں پروگرام پیش کئے وہ

بہت ہی قابل تعریف تھے، ایک مکالمہ عربی میں پیش کیا گیا، عربی الفاظ وجملوں کی ادائیگی، ڈائلاگ ڈلیوری خوداعتمادی کے ساتھ اپنے اپنے رول کو نبھانا اور مکالمہ کو اداکاری کے تصنع سے بچائے رکھنا واقعی ایک کمال کی چیز تھی، مکالمہ کے ذریعہ علماء سے بے نیاز ہوکر دین کی تفہیم وتشریح کے نقصان کو پیش کیا گیا تھا، یہ مکالمہ مسجد کے ایک فطری وروحانی پس منظر میں پیش کیا گیا تھا۔

انگریزی، اردو اور عربی تینوں زبانوں میں نعت مکالموں وتقاریر کے بعد شرکائے کانفرنس کی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا، کنیڈا سے آئے سابق رئیس فلاح دارین ترکیسر حضرت مولانا عبداللہ کاپودرا صاحب نے فرمایا کہ تعلیم کی اس ثنویت کو ختم کرنے کا نظریہ ۱۹۴۰ میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں پیش کیا تھا، آج ہمیں اپنے اسباب ووسائل کو اس طرح کے تعلیمی اداروں پر زیادہ سے زیادہ لگانے کی ضرورت ہے۔ مساجد کے ان میناروں کے ساتھ ساتھ ضرورت ہے کہ کارخانوں کی چمنیوں اور تعلیم گاہوں پر بھی ہمارے مال کا بڑا حصہ خرچ ہو۔

ہارون بھائی موزہ والا نے اپنی مختصر لیکن جامع تقریر میں سامعین کو اس طرف متوجہ کیا کہ حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب جیسی عظیم صلاحیتوں کی مالک ہستی کی آمد اور اس علاقے میں قیام ہمارے لئے اللہ تعالی کی ایک عظیم ترین نعمت ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم حضرت مولانا سے خوب استفادہ کریں، اور اس نعمت کی قدردانی کریں، اس نعمت کی قدردانی یہ بھی ہے کہ یہاں جاری ان نظامہائے تعلیم وتربیت کے ان اداروں کے لئے زیادہ سے زیادہ مالی تعاون واسباب ووسائل مہیا کئے جائیں۔

ہارون بھائی نے جس امر کی طرف توجہ دلائی ہے وہ ایک بہت ہی اہم امر ہے، اس لئے کہ کئی ایسی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں جو اسباب ووسائل کی کمی یا عدم دستیابی کی نذر ہوکر حسرتوں کے قبرستان میں دفن ہوجاتی ہیں۔

مغرب کو ہم چاہے جتنا کوس لیں لیکن ان کے فکری، تہذیبی اور سیاسی بالادستی وغلبہ کے جو مختلف اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ افرادسازی پر، اپنی تعلیم گاہوں پر، THINKTANKS تھنک ٹینکس پر بے حساب دولت خرچ کرتے ہیں، اس کے لئے اعلی سے اعلی درجہ کا انفرااسٹرکچر مہیا کرتے ہیں، اپنی قوم ووطن کے لئے اعلی درجہ کی افرادی قوت (ہیومن رسورسز) مہیا کرنے کے لئے ان کے یہاں کئی زندہ ومتحرک ادارے اور کرپشن سے پاک مستقل منسٹریاں موجود ہیں۔ ہم اگرچہ کہ بہت تاخیر سے جاگے ہیں،

عہد جدید کے معیار پر انگریزی زبان و سائنٹفک اسلوب میں دین کو پیش کرنے والے علماء کی تیاری کا کام اگرچہ بہت پہلے شروع ہوجانا چاہئے تھا لیکن اس تاخیر کے باوجود مسلمانوں کے پاس کامیابی کا ضامن ایک بہت ہی طاقتور فیکٹر موجود ہے اور وہ ہے؛ قرآن، جو ایک محسوس اور خالص سائنسی و علمی معیار پر پوری اترنے والی واحد کتاب ہے، اور اسی طرح اسلام کی شکل میں ایک سچا اور ڈائنامک دین موجود ہے جسے مثبت انداز میں دنیا کے سامنے اس کی زبان وٹرمینالوجی میں جب بھی پیش کیا جائے گا اور اس کے جدید سائنٹفک دور سے RELEVANCE وظاہر کیا جائے گا تو ہر قوم پکارے گی ''ہمارے ہیں محمد....صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

☆☆☆

لکھنؤ میں آپ کو قیام کی جب بھی ضرورت پیش آئے، تو شہر کے قلب میں واقع

ہوٹل رِدا کونٹی نینٹل **HOTEL RIDA** Continental

بھوپال ہاؤس، لالباغ لکھنؤ۔ 226018 Bhopal house, Lalbagh, Lucknow-18

Tell:+91-522-23910200-3910300-3910400-2231300

کا انتخاب کریں، جہاں آپ کو ملے گا گھر جیسا آرام، تمام جدید ترین سہولیات کے ساتھ انتہائی مناسب نرخ پر

تنویر پریس لکھنؤ بھوپال ہاؤس لالباغ لکھنؤ

(گورنمنٹ سے منظور شدہ اے کلاس فوٹو آفسٹ پرنٹرس)

طباعت کا ایک قدیم مرکز

خاص طور پر پوسٹر کی طباعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا

TANVEER PRESS

(Govt.apporoved 'A' Class photo Offset printers)

Lalbagh, Lucknow

Tell:+91-522-3918200-2620780

New Work Line

Photo Offset Process System

Specialist in :

☆Negative-Positive ☆4 Colour Job ☆Colour Cutting

☆Deep Etch ☆Plate Making ☆ Offset Printing

155/313, Behind Wahab Manshion, Moulviganj, Lucknow.

Mob.: 9838763033, 9936301232